

سر الاسرار

تصنیفِ لطیف

شیخ المشائخ، قطبِ ربانی، غوث صمدانی، محبوب سبحانی

حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

www.maktabah.org

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ ستودہ صفات اولیائے اُمّت کے درمیان ایک نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔ آپ کی بھرپور اور جامع شخصیت کے اثرات نہ صرف آپ کے زمانے پر بڑے واضح اور نمایاں ہوئے بلکہ آنے والے زمانے بھی ان سے بہرہ ور ہوتے۔ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیماتِ تصوّف کی تجدید کی جس تحریک کا آغاز کیا جناب شیخ نے اسے اوجِ کمال تک پہنچا دیا۔ آپ کے کارہائے نمایاں ہمہ جہت ہیں۔ آپ کی مجلسِ وعظ لاکھوں گم کردہ راہ افراد کی ہدایت کا سبب بنی۔ آپ کی تربیت سے ہزارہا متلاشیانِ حقیقت منزل آشنا ہوئے۔ آپ کی تحریریں آج بھی خفتہ دِلوں کی بیداری کا سبب ہیں۔ اُمّت کے کاملین آپ کی توجہات اور تصرفاتِ باطنی سے استفادہ کرتے ہوئے دِکھائی دیتے ہیں۔ وقت کی سیاست اور معاشرت پر آپ نے انمٹ نقوش ثبت کیے۔ ایک طرف آپ کے فیض یافتہ مجاہدین اور غازیانِ جواں مرد نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں صلیبی آویزش کے سامنے بند باندھتے ہوئے نظر آتے ہیں اور قبلۂ اوّل کی بازیابی کا سبب بنتے ہیں تو دوسری جانب آپکے گمنام درویش، اُجڈ وحشی اور خون ریز تاتاریوں کو تہذیب آشنا کرتے ہوئے اور انھیں کعبہ کا پاسبان بناتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ زیرِ نظر رسالہ آپ کے تبرکات میں سے ایک ہے۔ عالم عرب کے نامور محقق نے اسے جدید خطوط پر ایڈٹ کیا اور ہمارے فاضل دوست ظفر اقبال کلیار نے اسے احسن انداز میں اُردو کے قالب میں ڈھال دیا۔ اللہ رب العزت اس محنت و کاوش کو ہمارے لیے ہدایت کا سبب بنائے۔ (آمین بجاہ سیّد المرسلین علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم)۔

زاویہ نشین

محمد رضاء الدین صدیقی

www.maktabah.org


www.maktabah.org


www.maktabah.org



سر الأسرار ومظهر الأنوار

فيما يحتاج إليه الأبرار

www.maktabah.org


www.maktabah.org

سِرّ الاسرار

روحانی حقائق و معارف کا حسین و جمیل مجموعہ، صوفیانہ تعلیمات کی
خوبصورت اور دِل آویز تشریح وصول الی اللہ کے سربستہ حقائق،
عارف جلیل، مرشدِ کامل و مکمل کے قلم سے

تصنیفِ لطیف

شیخ المشائخ، قطبِ ربانی، غوث صمدانی، محبوب سبحانی
حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی
(رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

مترجم

(الاستاذ) ظفر اقبال کلیار
(فاضل بھیرہ شریف)

www.maktabah.org



جُملہ حقُوق محفُوظ

۲۰۰۰ء

بار اوّل ________ ایک ہزار

ہدیہ ________ = 80 روپے



زیرِ اہتمام

محمد رضاءُ الدّین صدیقی

نجابت علی تارڑ



زاویہ

۸ - سی دربار مارکیٹ ○ لاہور

Ph (042) 7113553-7241517

(نوٹ)

اِس کِتاب کے جُملہ محاصِل "زاویہ فاؤنڈیشن" کے عِلمی و تحقیقی مقاصِد کے لِئے وقف ہیں۔

www.maktabah.org

سر الأسرار ومظهر الأنوار

فيما يحتاج إليه الأبرار

شيخ الإسلام وسلطان الأولياء

أبي محمد عبد القادر بن أبي صالح عبد الله بن جنكي دوست الجيلاني الشافعي الحنبلي
رحمه الله تعالى

(٤٧٠ - ٥٦١ هـ)

تحقيق

خالد محمد عدنان الزرعي   محمد غسان نصوح عزقول

www.maktabah.org


www.maktabah.org

فہرست

مقدمہ تحقیق

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں جو خالق کون و مکان ہے۔ دنیائے ہست و بود کا مقدر، ہر عیب، ہر کمزوری سے پاک، منزہ و مبرہ، احکم الحاکمین ہے۔ اپنے علم کے فیض سے اپنے وجود کو بندگان خاص پر عیاں فرمایا۔ انہیں حکمت و دانائی کا لباس پہنا کر ان کے ہاتھ پر خیر کثیر کو جاری فرمایا۔ خیر کثیر کا یہ سلسلہ انہیں کی وساطت سے پوری دنیا تک پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے فیض حاصل کرنے کی توفیق بخشے آمین۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی معبود نہیں۔ وہ الہ یکتا کریم، بے حد سخی ہے۔ اس کے جود و سخا سے پوری کائنات (کی جھولی) بھری ہوئی ہے۔ یہی عالم کا مقدر، اس کا موجد، تمام مخلوق کا خالق، اس میں پنہاں اسرار و رموز سے واقف اور خود آسمانوں اور زمین میں ان رازوں کو آباد کرنے والا ہے۔ اس کی ذات وہ ہے جو اس زمین اور ان آسمانوں میں نہیں سما سکتی۔

اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ نبی امی ہیں مگر تمام علوم کے بحر ذخار ہیں اللہ تعالیٰ نے خود کائنات کے تمام راز انہیں تعلیم فرمائے اور وحی کی زبان میں ان سے بات کی۔

مولا! سیدنا محمد ﷺ پر اپنی رحمتوں کا ہمیشہ نزول فرما جو تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت بن کر آئے ہیں، حامل ذکر حکیم ہیں۔ معلم خلق تمام ہیں۔ ہادی و مرشد شرع قویم ہیں۔ ارباب معرفت کو حبل متین کے ذریعے خدا تک پہنچانے والے ہیں۔ عبادات و ذکر کے ذریعے رب العالمین کے حریم قدس تک پہنچنے کے

راستے کی وضاحت فرمانے والے ہیں۔

ازیں بعد: یہ رسالہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ یہ ایک عظیم اور منفعت بخش کتاب ہے۔ اس میں تصوف کے اصول اور معرفت حق تک پہنچنے کے ذکر کے طریقوں کی وضاحت ہے جو فناء و محو سے تعلق رکھتے ہیں۔

تصوف اپنے اجزائے ترکیبی میں اخلاق صافیہ، معرفت حق یا سلوک کی راہوں مکاشفہ، مشاہدہ، تجلیات، جذبات کے ذریعے اللہ تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے۔

یہ علم شریعت سے خروج نہیں اور نہ ہی محرمات میں غفلت برتنے سے عبارت ہے بلکہ شریعت ہی کا عطیہ اور ثمرہ ہے۔ تصوف شریعت کے اوامر کی پابندی کا نام ہے۔ یہ شریعت کے حلال و حرام کی پابندی کو بنیاد یقین کرتا ہے۔ مگر کھو کھلی پابندی کا قائل نہیں بلکہ اس میں ایک خاص جذبے کا قائل ہے جسے آج ہم "حیویت" کا نام دیتے ہیں تصوف شریعت کی گویا روح ہے۔ جب سینہ تصوف سے جگمگا اٹھتا ہے تو انسان کے عمل سے اخلاص کی روشنی پھوٹنے لگتی ہے۔ اس طرح اس کے دل میں عشق الٰہی رچ بس جاتا ہے اور وہ اپنے وطن اصلی کو لوٹنے کے لیے بیقرار نظر آتا ہے۔ قرب کی ان منزلوں پر چلتے ہوئے اسے وجد کی کئی صورتوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ خوف و رجاء کہ اسلحہ سے لیس انسان اللہ تعالیٰ کا ہو کر رہ جاتا ہے اور مخلوق سے ناتا توڑ لیتا ہے دنیا اس کی نظروں میں حقیر ہو جاتی ہے۔ تقویٰ و پرہیز گاری اس کی پہچان بن جاتی ہے۔ پس انسان انس کا ذائقہ چکھ لیتا ہے۔ معرفت حق سے دلشاد ہو جاتا ہے اور فناء کے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے۔

ہر دور میں علمائے محققین نے تصوف حقیقی کی روشنی کا ادراک کیا ہے۔ جھوٹ کیا ہے اور سچ کیا ہے انہوں نے خوب جانچ پڑتال کی ہے۔ ان کا نتیجہ فکر مدح و ستائش کی صورت میں آج بھی ہمارے سامنے ہے۔ کئی علماء نے تو صراحتاً تصوف کے حق میں دل کھول کر لکھا ہے اور بعض کی عبارات چغلی کھاتی ہیں کہ وہ تصوف کے دلدادہ تھے۔ ان میں سے صرف چند محققین کی آراء پیش کرنے پر

اکتفا کیا جائے گا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ :۔

امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے حضرت ابو حمزہ بغدادی[1] کی تربیت میں تھے تو ان دنوں حضرت نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی: "بیٹے! ان لوگوں کی صحبت ضرور اٹھایئے۔ یہ لوگ علم، مراقبہ، خشیت، زہد اور علو ہمت میں ہم سے کہیں آگے ہیں"[2] صوفیاء کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ "میرے علم میں ان سے بہتر کوئی نہیں۔ عرض کی گئی حضور! یہ لوگ سماع کے قائل ہیں وجد میں آجاتے ہیں۔ آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: جانے دیجئے۔ ایک ساعت انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش ہو لینے دو"[3]

حضرت امام مالکؒ :۔

جو ظاہری علوم سیکھتا رہا اور تصوف کی راہ اختیار نہ کی فاسق ہوا اور جو تصوف کی کٹھن راہوں پر علم ظاہری کی روشنی کے بغیر چل دیا کفر و الحاد کا شکار ہوا اور جس نے دونوں (ظاہری علم اور تصوف کو یکجا کر لیا منزل مقصود تک پہنچ گیا۔[4]

امام عزالدین بن عبد السلام :۔

صوفیاء میں سے کئی لوگوں نے اپنے فکر و عمل کی بنیاد شریعت مطہرہ پر رکھی جسے نہ دنیا منہدم کر سکتی ہے اور نہ آخرت۔ مگر دوسرے رسوم کے پرستار رہے۔ اور جو چیز صوفیائے کرام کی کامیابی کی دلیل ہے وہ ان کے ہاتھوں صادر ہونے والی کرامات اور خوارق ہیں۔ در حقیقت کرامت قربت حق کی اور رضائے حق تعالیٰ کی فرع ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ علم بغیر عمل سے راضی ہوتے تو پھر ظاہر بین علماء بھی صاحب کرامت و خوارق ہوتے لیکن ایسا ہرگز نہیں"[5]

تاج الدین سبکی :۔

صوفیائے کرام (حیاّہم اللہ وبیّاہم وجمعنا فی الجنۃ وایاھم) کے بارے بہت

زیادہ بیہودہ باتیں کی گئی ہیں۔ مگر یہ باتیں جہالت کا نتیجہ ہیں در حقیقت لوگ ان کے نظریات اور مقام سے واقف نہیں۔ اس کے ظاہری احوال حقیقت تک رسائی سے مانع ہیں۔ شیخ ابو محمد جوینی فرماتے ہیں کہ ان کے بارے توقف صحیح نہیں کیونکہ ان کی کوئی حتمی تعریف نہیں کی جاسکتی۔ پھر شیخ ابو محمد جوینی تصوف کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں...... حاصل کلام یہ ہے کہ صوفیاء اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے ان کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی توقع کی جاسکتی ہے۔ ان کی دعاؤں سے نزول بارش کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔[۶]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ :۔

"میرا موقف صوفیاء کے بارے بھی وہی ہے جو فقہاء کے بارے ہے۔ جس نے کتاب و سنت اور سلف صالحین کی پیروی کی وہ نجات پا جائے گا اور عند اللہ کامیاب ٹھہرے گا اور جو قرآن و سنت اور سلف صالحین کے طریقے سے اعراض برتے گا خائب و خاسر ہو گا" ابن تیمیہ ان لوگوں کو مرفوع القلم گردانتے ہیں جو مقام سکر میں ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ تمیز کی قوت کھو بیٹھتے ہیں مگر ان کے دل میں ایمان کی حلاوت موجود رہتی ہے۔ ان کی مثال شراب کے نشے میں دُھت انسان کی ہے جو عقل و خرد کی قوت سے عاری ہو جاتا ہے یا تصویر کا عاشق کہ یہ عشق اسے پاگل بنا دیتا ہے۔ اسی طرح صوفی خوف و رجاء کے احوال کے طاری ہونے سے فناء کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔[۷]

حواشی

[۱] یہ سری بن مغلس سقطی اور بشر حافی کے صحبت یافتہ ہیں

[۲] تنویر القلوب ص 437 — [۳] ردود علی شبهات السلفیه ص ۱۱

[۴] شرح عین العلم ص ۳۳ — [۵] ردود علی شبهات السلفیه ص ۱۳

[۶] معجز السعم و مبید النقم ص ۱۱۹۔۱۲۰ — [۷] مجموع الفتاویٰ ج10/486-516

اس کتاب کے مختلف نسخوں کے بارے کچھ معلومات

(1) مخطوطہ

پہلا نسخہ :۔

یہ نسخہ حماۃ میں واقعہ "استانہ" لائبریری میں موجود ہے اس قلمی نسخے کا عنوان "سرالاسرار وَمَظْهَرُالْاَنْوَارِ فِيْمَايَحْتَاجُ اِلَيْهِ الْاَبْرَارُ" ہے مخطوطہ بہتر (72) اوراق (144 صفحات) پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے پر تیرہ سطریں اور ہر سطر میں تقریباً سات سے آٹھ کلمات ہیں۔ یہ نسخہ 791ھ کا لکھا ہوا ہے۔ یہ ریکارڈ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس کی کتابت سہری حروف سے کی گئی ہے۔ کہیں کہیں تعلیقات بھی ہیں۔ خط نسخ میں بہت خوبصورت لکھائی کی گئی ہے۔ بعض کلمات سونے کے پانی سے لکھے گئے ہیں جو سرخ رنگت میں بہت بھلے محسوس ہوتے ہیں۔ کتاب کا نمبر 57.7۔ عام ہے۔ آج کل یہ نسخہ افقر الوریٰ خادم الفقراء سید الحاج صالح گیلانی نقیب اشراف حماۃ کی ملکیت میں ہے۔

دوسرا نسخہ :۔

یہ نسخہ بھی بغداد کی لائبریری دارالسلام میں موجود ہے۔ اس کا عنوان۔ "رِسَالَةٌ فِي عِلْمِ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ" ہے۔ تعداد اوراق 29 ہے اوسطاً ہر صفحے پر نو(9) سطریں اور ہر سطر میں تقریباً گیارہ (11) کلمات ہیں۔ تاریخ تکمیل 15 صفر 1096ھ لکھی ہوئی ہے۔ خط نسخ میں لکھا ہوا یہ نسخہ نظر ثانی شدہ

ہے۔ بعض کلمات سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ لائبریری میں اس کا نمبر 9177۔عام ہے۔

تیسرا نسخہ :۔

یہ نسخہ الظاھریہ لائبریری میں ہے۔ رسالے کا عنوان ہے "السلوك فی باطن الاسرار" غلاف پر مؤلف کا نام ابو المحاسن جمال الدین محمد بن یوسف بن عبداللہ گورانی کردی (ت۔768ھ) لکھا ہوا ہے۔ یہ نسخہ 27 اوراق پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ پر تقریباً 23 سطریں اور ہر سطر میں اوسطاً 8 لفظ ہیں۔ تاریخ تالیف 6 ربیع الاول 1127ھ لکھی گئی ہے۔ نسخہ محمد ادیب تقی کی ملکیت رہا جو 1292ھ میں پیدا ہوئے اور 1358ھ میں انتقال کر گئے۔ لائبریری نمبر 11232 عام ہے۔

چوتھا نسخہ :۔

ظاہریہ لائبریری میں موجود یہ نسخہ "اَلْاَسْرَارُ فِيْمَا يَحْتَاجُ اِلَيْهِ الْاَبْرَارُ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے ابتدائی صفحات بوسیدہ ہیں۔ اس کے کل چوبیس اوراق ہیں۔ ہر صفحہ پر اوسطاً سترہ سطور اور ہر سطر میں تقریباً بارہ الفاظ ہیں۔ اس کی کتابت خان بن ملاویا بن ملا نصر خان نے طاخ کے قصبے میں اپنے آقا اسکندر کے حکم سے کی۔ تاریخ کتابت 1170ھ ہے یہ نسخہ بھی خط نسخ میں بہت خوش خط لکھا گیا ہے۔ لائبریری میں نمبر 3956۔ عام دیا گیا ہے۔

پانچواں نسخہ :۔

یہ نسخہ بھی ظاہریہ لائبریری میں موجود ہے اور "رِسَالَةٌ فِی التَّصَوُّف" کے نام سے موسوم ہے۔ کل اوراق 39 ہیں۔ ہر صفحے پر پندرہ (15) سطور اور ہر سطر میں تقریباً دس الفاظ ہیں نسخہ خط نسخ میں لکھا گیا ہے لیکن کہیں کہیں فارسی عبارات گڈ مڈ ہو گئیں ہیں۔ لائبریری میں نسخے کو 6919 نمبر عام دیا گیا ہے۔

چھٹا نسخہ :۔

یہ بھی ظاہر یہ لائبریری کی زینت ہے۔ اس کا عنوان "کتاب فی التصوف ہے۔ باسٹھ اوراق پر مشتمل نسخے کے ہر صفحہ پر تیرہ سطور اور ہر سطر میں تقریباً آٹھ الفاظ ہیں نسخہ نظر ثانی شدہ ہے اور سر عنوان یہ کلمات لکھے ہوئے ہیں "تقدمة من جمال الدين جمالی الحمصی اخيه الحاج محمد عبدالدائم الحلبی" لائبریری میں اس کا نمبر 7389 عام ہے۔

ساتواں نسخہ :۔

"اسرار الاسرار" کے کے عنوان سے یہ نسخہ حلب کی "الوطنیہ" لائبریری میں موجود ہے۔ اس کے اوراق سینتیس، ہر صفحے پر انیس سطور اور ہر سطر میں نو سے دس الفاظ ہیں۔ یہ ایک بہترین نسخہ ہے عام لکھائی خط نسخ میں ہے لیکن عنوانات خط شکستہ میں ہیں اس کی تکمیل جمعرات کے دن 1274ھ کو ہوئی کتاب کا نمبر 1858 عام ہے۔

ب : مطبوعہ :۔

یہ کتاب صرف ایک بار زیور طباعت سے آراستہ ہوئی ہے۔ وہ بھی الگ کتاب کی صورت میں نہیں بلکہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب غنیۃ الطالبین کے حاشیہ کی صورت میں۔ اس کی پہلی یہ طباعت مطبعہ مبریہ مکہ مکرمہ حماہا اللہ تعالیٰ میں ہوئی۔ سن طباعت 1314ھ ہے۔ مگر طباعت ناقص ہے۔ اس میں بہت ساری کتابت کی غلطیاں اور تحریفات ہیں۔ کہیں کہیں غیر مفید اضافے ہیں خصوصاً غیر عربی (فارسی) اشعار کی بھرمار کی گئی ہے۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں

زیر نظر کتاب کے بارے کچھ عرض کرنا فائدے سے خالی نہیں ہو گا۔
صاحب ''معجم المؤلفین'' نے اسے محمد بن یوسف کورانی کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ اشارہ بھی دیا ہے کہ اس کا نام ''بیان اسرار الطالبین فی التصوف'' ہے۔

اس چیز نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ہم ان مصادر کی چھان بین کریں جن کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ تحقیق کے دوران ہمیں معلوم ہوا کہ کورانی کا صرف ایک ہی رسالہ ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے بیان کیا ہے۔ اس رسالے کا نام ''ریحان القلوب والتوصل الی المحبوب'' ہے اسی طرح ابن تغری بردی بغدادی ذکر کرتے ہیں کہ کورانی کا صرف ایک ہی رسالہ ہے۔ صاحب کشف الظنون اسے کورانی سے تالیف قرار دیتا ہے۔

استاذ ریاض مالح اس رسالے کا ذکر کرتے ہیں اور اسے کورانی کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔

اسی لیے ہمیں ان تمام مخطوطوں کا مطالعہ کرنا پڑا جن کی نسبت حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ یا کورانی علیہ الرحمۃ کی طرف تھی۔ بڑی تحقیق کے بعد بھی داخل یا خارج سے ہمیں کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ یہ رسالہ کورانی کی تصنیف ہے۔ تمام مخطوطوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ شیخ کی تصنیف ہے۔ تمام نسخوں کو دیکھنے کے بعد ہمیں اندازہ ہوا کہ ریاض مالح نے معجم المؤلفین پر اعتماد کیا ہے تحقیق نہیں کی اور صاحب معجم المؤلفین نے کشف الظنون پر اعتماد کیا ہے۔

جب ہم نے مکتبہ قادریہ کے مخطوطات کی فہرست کی طرف رجوع کیا تو ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ رسالہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ہی تصنیف ہے۔ یاد رہے مکتبہ قادریہ شیخ جیلانی قطب سبحانی کی ذاتی لائبریری ہے۔ اس کی بنیاد آپ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹوں نے رکھی تھی۔ اس لائبریری میں کچھ نسخے حضرت شیخ کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ ہم نے کوشش تو کی کہ ان نسخوں کا مطالعہ کریں لیکن عراق اور کویت کی آویزش نے رکاوٹ پیدا کر دی اور ہم ان تک نہیں پہنچ سکے۔ کیونکہ اس کام کے لیے بہت سا وقت درکار تھا۔ حضرت شیخ کی ذاتی لائبریری میں موجود یہ فہرست یہ باور کرانے کے لیے کافی ہے کہ رسالہ ''سر الاسرار'' یا ''اسرار الطالبین'' شیخ جیلانی ہی کی تصنیف ہے۔ اور اس نہج کا کام کسی اور شخص کے بس کا روگ ہی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

ہماری کوشش :۔

1۔ ہم نے مختلف نسخوں کا باہم موازنہ کیا۔ جہاں اختلاف رونما ہوا وہاں اصل مخطوطے کی عبارت لکھ دی۔ ہاں اگر غلطی واضح تھی تو دوسرے نسخوں کی عبارت کو لکھ کر درمیانی بریکٹ { } کا اشارہ دے دیا

2۔ جہاں کہیں لکھنے والے سے تصحیف یا تحریف ہو گئی یا کوئی حرف یا جملہ رہ گیا اور بعد میں خود لکھنے والے کو پتہ چل گیا اور اس نے اس کو حاشیہ میں لکھ دیا تو ہم نے ایسے لفظ یا جملے کو اصل متن میں لکھ دیا اور کسی قسم کی آگاہی نہیں دی۔ ہاں جہاں لکھنے والے کو غلطی کا احساس نہیں ہوا تو ہم نے دوسرے نسخوں سے اصل عبارت لکھ کر بڑی بریکٹ [ ] کا نشان لگا دیا ۲؎

3۔ ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ حتی الوسع آیات واحادیث اور علماء کی عبارات کی تخریج ہو جائے۔

4۔ اصل کتاب کا ورق جہاں ختم ہوتا ہے وہاں ایک نشان دے دیا ہے تاکہ اس سے قاری کو مخطوطے کا اندازہ ہو تا جائے۔ ۳؎

5۔ بعض حواشی اصل کتاب سے لیے گئے ہیں اور صرف انہیں پر اکتفاء کیا گیا ہے ایسے مقامات پر "ورد فی ھامش رظ)" کے الفاظ کے ساتھ اشارہ ملتا ہے۔

6۔ جہاں کہیں لفظ اللہ آیا ہے ہم نے لفظ تعالیٰ کا اضافہ کیا ہے اور حضور ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ ﷺ کا اضافہ کر دیا ہے۔ کیونکہ اس ضمن میں نسخوں میں باہم بہت اختلاف تھا۔

7۔ آیات کریمہ کی تخریج میں سورت کا نام، نمبر اور آیت کا نمبر تحریر کیا گیا ہے۔

8۔ اکثر احادیث کی تخریج کر دی گئی ہیں لیکن بہت سی احادیث کی تخریج باوجود کوشش کے نہیں ہو سکی۔ جہاں حدیث کے ہونے کا گماں تھا وہاں تلاش بسیار کی گئی لیکن نہیں ملیں۔

9۔ بعض احادیث کی تشریح کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ اگر کہیں ایسی حدیث آئی جس کا متن ماخذ سے نہیں مل سکا تو اس کے معنی کو قوی کرنے والی دوسری احادیث کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

10۔ اعلام کا تعارف بھی کافی حد تک کر دیا گیا ہے۔

11۔ کتاب کے شروع میں اصطلاحات کتاب کی تشریح کر دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ایسی معاجم سے مدد لی گئی ہے جو مصطلحات صوفیاء کی وضاحت کرتی ہیں۔ ہاں اس میں کتاب کے سیاق و سباق کا خیال رکھا گیا ہے۔

حواشی

ا، ۲، ۳۔ ترجمہ میں ان چیزوں کا اھتمام نہیں کیا گیا کیونکہ ان رموز سے اردو خواں واقف نہیں ہوتا۔ اور ان کا لحاظ رکھنا بھی مشکل تھا۔ اہل علم حضرات متن کی طرف رجوع کریں

کلمہ شکر

ہم ان تمام دوستوں کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں جنہوں نے اس کام کرنے کی طرف ہماری توجہ مبذول کی یا کتاب کو ہر لحاظ سے بہتر بنانے کے لیے اپنی شروحات سے نوازا۔ خصوصاً ڈاکٹر عبدالکریم یافی اور شیخ یوسف عرار ہمارے خصوصی شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے بعض بنیادی اور نتیجہ خیز تعلیقات سے ہمیں فائدہ پہنچایا۔

اسی طرح اپنے فاضل دوست زیاد سروجی اور محمد شونو کا بے حد ممنوں ہوں جنہوں نے مؤسسۃ البصائر کی وساطت سے اپنی بہترین کمپوزنگ کے ذریعے اس کتاب کو بہترین صورت میں اہل علم تک پہنچانے میں ہماری مدد کی۔ حالانکہ یہ مسابقت کا دور ہے اور یہ ہماری ساتویں کتاب ہے جسے یہ خوش اسلوبی سے پیش کررہے ہیں۔ اس تمام کامیابی کا سہرا المکتبہ الاسد والوطنیہ کے سر ہے۔

محترم انجنیئر صبحی عودہ کا شکریہ بجا نہ لانا زیادتی ہو گی جنہوں نے کام کرنے کے لیے ہمیں بہترین مواقع فراہم کیے۔ استاد بشیر محمد عیون جو مسلسل ہمیں اس کام پر ابھارتے رہے اور مدد بھی کرتے رہے۔

ان تمام حضرات کی خدمت میں ہدیہ تشکر وامتیاز۔

ہم اپنی اس حقیر سی کوشش کو اللہ تعالیٰ سے اس امید پر پیش کررہے ہیں کہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ اور ہمیں سیدھے راہ پر چلنے کی توفیق بخشے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے لطف عمیق اور رحمت تمام کا سوال کرتے ہیں اور اس علیم وخبیر ذات کی خدمت میں یہ گزارش کرتے ہیں کہ ہمیں فرمانبرداری کی توفیق دے اپنی جنت اور انعام سے نوازے اور مؤلف، کاتب قاری کو اور سننے والے کو اس کتاب سے بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم وبحق عترتہ نفع دے۔

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ

نام ونسب :۔

امام وزاہد، عارف کامل، قدوۃ الاتقیا، سلطان الاولیاء، امام الاصفیا، شیخ الاسلام محی الدین والسنہ ابو محمد عبد القادر بن ابی صالح[1] عبداللہ بن جنگی دوست[2] بن یحیٰ بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن عبداللہ بن الحسن بن الحسن[3] بن علی بن ابی طالب[4]

آپ علیہ الرحمۃ شیخ ابو عبداللہ صومعی کی نسل سے ہیں جن کی نسبت جیلان[5] کی طرف کی جاتی ہے آپ جیلان کے کبار مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت صومعی کی کرامات اور احوال زبان زد عوام وخواص ہیں۔[6]

حضرت شیخ کی والدہ ماجدہ ام الخیر فاطمہ بنت ابی عبداللہ صومعی اپنے وقت کی صاحب کرامات شخصیت ہیں۔[7]

مولد وموطن :۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نصف ماہ رمضان 471ھ کو جیلان[8] میں پیدا ہوئے عنفوان شباب اسی قصبہ میں گزارا 20 سال کی عمر میں بغداد کی طرف کوچ کیا 488ھ کو بغداد شہر میں داخل[9] ہوئے اور بقیہ زندگی اسی شہر میں گزار دی۔

حسن ظاہری :۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا قد درمیانہ سینہ چوڑا اور بدن کمزور تھا داڑھی مبارک

گھنی اور طویل تھی رنگ گندمی دونوں ابروٗ ملے ہوئے اور آواز میں بلند آہنگی تھی۔ نہایت شیریں[۱۰] مقال اور دلنشیں خصال تھے۔ شخصیت میں ایک خاص جاذبیت رکھتے تھے اور علم کا وقار شخصیت سے ٹپکتا تھا[۱۱]

پرورش اور تعلیم :۔

آپ نے علم پرور اور کرامات دیدہ معاشرے میں آنکھ کھولی والد گرامی جیلان کے بڑے علماء میں سے تھے والدہ ماجدہ کی کرامات کا شہرہ دور دور تک تھا حضرت ابو عبداللہ جو آپ کے نانا ہیں اپنے وقت کے عارف کامل عالم باعمل اور متقی و پرہیزگار انسان تھے۔

شیخ علیہ الرحمۃ نے علم، فقہ، معرفت و حقیقت شناس گھرانے میں پرورش پائی۔

آپ جانتے تھے کہ علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے اس لیے آپ نے علم کے لیے کمر ہمت باندھ لی اور اپنی تمام تر کوششیں اس راہ میں صرف کر دیں۔ شروع سے آپ کے دل میں یہ آرزو چٹکیاں لیتی تھی کہ آپ کا شمار چوٹی کے علماء میں ہو۔

حصول علم کی ابتدا قرآن کریم سے کی قرأت میں تبحر حاصل کیا اس مقصد کے لیے ابو الوفا علی بن عقیل الحنبلی اور ابو الخطاب محفوظ الکلوازانی الحنبلی اور کئی دوسرے فن قرأت کے ماہرین کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیے حدیث پاک کے سماع کے لیے ابی غالب محمد بن الحسن الباقلانی جیسے کئی مشاہیر عصر اور حفاظ کی خدمت میں حاضری دی۔

علم فقہ میں ابی سعد المخرمی جیسے باکمال استاذ اور فقیہی کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ جنہوں نے ظاہری اور باطنی علوم سے آپ کو بہرہ مند کیا۔ حضرت ابو سعید مخرمی نے آپ کو خرقہ شریعت بھی عطا فرمایا۔

ادب اور لغت کی تعلیم کے لیے ابی زکریا یحیٰ بن علی تبریزی کی بارگاہ میں

حاضر ہوئے۔ پھر حضرت حماد الدباس کی صحبت اٹھائی اور حضرت دباس نے آپ کو علم لغت وادب کے ساتھ ساتھ علم طریقت سے بھی حصہ وافر عطا فرمایا۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ شریعت، طریقت، لغت اور ادب میں کمال تبحر حاصل کر کے مذہب حنبلی کے امام اور اپنے وقت کے مقتداء قرار پائے۔

مجالس وعظ قائم ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے دل میں ودیعت حکمت ودانائی کو نطق ظاہری پر جاری فرمادیا۔ آپ نے پہلی مسند وعظ شوال 521ھ کو منعقد کی۔ یہ مجلس وعظ ابو سعید مخرمی رحمۃ اللہ علیہ کی مدرسے میں ہوتی رہی جو بغداد کے باب الازج کے اندر واقع ہے۔ آپ کے زہد وورع کی شہرت دور دور تک پھیل گئی لوگ دیوانہ وار حاضر مجلس ہونے لگے۔ جب شیخ نے دیکھا کہ انبوہ کثیر مدرسہ میں نہیں سما سکتا تو آپ بغداد سے باہر واقع عید گاہ میں تشریف لے گئے۔ آپ کی تقریر سننے کے لیے ہزاروں لوگ آتے۔ بعض روایات میں ان کی تعداد ستر ہزار بتائی گئی ہے۔

آپ علیہ الرحمۃ سے اکتساب فیض کرنے والوں میں بڑے بڑے فقہاء علماء، محدثین اور ارباب احوال ومقامات کے اسمائے گرامی آتے ہیں [۱۲]

آپ نے اصول وفروع اور اہل احوال و حقائق [۱۳] کے بارے کئی تصنیفات یاد چھوڑی ہیں۔ ان میں سے چند کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

1۔ اغاثۃ العارفین وغایۃ الواصلین [۱۴]
2۔ روداد الجیلانی [۱۵]
3۔ آداب السلوک والتوصل الی منازل السلوک [۱۶]
4۔ تحفۃ المتقین وسبیل العارفین [۱۷]
5۔ جلاء الخاطر فی الباطن والظاہر [۱۸]
6۔ حزب الرجاء والانتہاء [۱۹]
7۔ الحزب الکبیر [۲۰]

8۔ دعاء اوراد الفتحیہ [۲۱]
9۔ دعاء البسملۃ [۲۲]
10۔ الرسالۃ الغوثیہ [۲۳]
11۔ رسالۃ فی الاسماء العظیمۃ للطریق الی اللہ [۲۴]
12۔ الغنیۃ لطالبی طریق الحق [۲۵]
13۔ الفتح الربانی والفیض الرحمانی [۲۶]
14۔ فتوح الغیب [۲۷]
15۔ الفیوضات الربانیہ [۲۸]
16۔ معراج لطیف المعانی [۲۹]
17۔ یواقیت الحکم [۳۰]

شاید یہ تصنیفات مشہور ترین [۳۱] ہیں جو آپ کی بہت سی تصنیفات سے علماء نے ذکر کی ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تیرہ علوم میں گفتگو فرماتے تھے۔ درس گاہ میں صبح اور شام کو تفسیر، حدیث، مذہب، مناظرہ، اصول، نحو وغیرہ علوم کا درس ہوتا اور ظہر کی نماز پڑھ کر قرآن کریم مختلف قرأتوں سے پڑھایا جاتا۔

ایک عرصہ تک تو آپ حضرت امام شافعی کے مذہب پر فتویٰ جاری کرتے رہے لیکن بعد میں امام احمد ابن حنبل کی تقلید میں فتویٰ دینا شروع کیا۔

آپ کے فتاویٰ علماء عراق کی خدمت میں پیش ہوتے تو وہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے اور فرط حیرت سے پکار اٹھتے پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے عبدالقادر پر اتنا انعام فرمایا۔

حضرت شیخ کی اساتذہ :۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سارے علماء سے اکتساب علم کیا۔ ان علماء

میں مختلف مذاہب اور مختلف علوم میں تخصص رکھنے والے علماء شامل ہیں ہم مشہور ترین علماء کے ذکر پر اکتفاء کریں گے۔

1۔ حدیث شریف میں اساتذہ :۔

1۔ المحدث ابو محمد جعفر بن احمد بن الحسن بن احمد البغدادی، البسراج القاری، الادیب (417-500ھ)[۳۲]

2۔ المحدث ابو غالب محمد بن الحسن بن احمد بن الحسن بن خداداد اباقلانی (420-500ھ)[۳۳]

3۔ الشیخ الصدوق ابو سعد محمد بن عبد الکریم بن خشیش البغدادی (413-502ھ)[۳۴]

4۔ الشیخ ابوبکر احمد بن المظفر بن حسین بن عبد اللہ بن سوسن التمار[۳۵] (503-411)

5۔ الشیخ المسند ابوالقاسم علی بن احمد بن محمد بن بیان بن رزاز بغدادی[۳۶] (510-413)

6۔ الشیخ الثقہ ابو طالب عبدالقادر بن محمد بن عبدالقادر بن محمد بن یوسف بغدادی یوسفی[۳۷] (516-430)

7۔ الشیخ المحدث ابوالبرکات ھبۃ اللہ بن المبارک بن موسیٰ بغدادی سقطی[۳۸] (509-445)

8۔ الشیخ ابوالعز محمد بن المختار بن محمد بن عبد الواحد بن عبد اللہ بن المؤید باللہ الھاشمی العباسی[۳۹]

ب۔ علم فقہ کے اساتذہ کرام :۔

ا۔ العلامہ شیخ الحنابلہ ابو سعد المبارک بن المخرمی بغدادی (متوفی 513ھ)[۴۰]

۲۔ العلامہ شیخ الحنابلہ ابوالوفاء علی بن عقیل بن عبداللہ البغدادی الظفری (431-513ھ)[۴۱]

۳۔ الامام شیخ الحنابلہ ابو الخطاب محفوظ بن احمد بن حسن بن حسن عراقی الکلوذانی (510-432ھ)[۴۲]

علم ادب اور لغت میں اساتذہ :۔

1۔ امام اللغہ ابوزکریا یحیٰ بن علی بن محمد بن حسن بن بسطام شیبانی الخطیب تبریزی[۴۳] (502-421ھ)

شیخ کے شاگرد :۔

خلق کثیر نے آپ علیہ الرحمۃ کے دروس سنے کیونکہ ستر ہزار سے زائد لوگ آپ کی مجلس وعظ میں حاضر ہوتے۔ ان میں سے کچھ لوگ تو ہمیشہ آپ کی صحبت میں رہے اور اکتساب نور کرتے رہے۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن مشہور ترین علماء کے نام درج کیے جاتے ہیں۔

1۔ الزاھد العابد شیخ العراق ابو علی الحسن بن مسلم بن ابی الجود فارسی[۴۴] عراقی (594-404) انہوں نے شیخ سے علم فقہ اور قرآن کریم سیکھا۔

2۔ القدوۃ العارف ابو عبداللہ محمد بن ابی المعالی بن قاید الاوانی[۴۵] (المتوفی 854ھ)

3۔ قاضی الدیار المصریہ الامام الذاھد الاوحد ابو القاسم عبدالملک بن عیسیٰ بن درباس بن فیر بن جھم بن عبدوس المارانی الکردی الشافعی[۴۶] (605-516ھ)

4۔ الامام الحافظ الاثری ابو محمد عبدالغنی بن عبدالواحد بن علی بن سرور بن رافع بن حسن بن جعفر المقدسی الحنبلی[۴۷] (600-541ھ) انہوں نے حضرت شیخ سے حدیث پاک کا سماع کیا۔

5۔ الشیخ الامام القدوۃ ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ بن مقدام بن

نصر المقدسی الحنبلی (صاحب المغنی)[۴۸] (541-620ھ) فرماتے ہیں کہ ہم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کے پاس ان کے مدرسے میں ایک ماہ اور نو دن ہی ٹھہرے کہ آپ علیہ الرحمۃ کا وصال ہو گیا۔[۴۹]

6۔ الشیخ المسند ابو المعالی احمد بن عبدالغنی بن محمد بن حنیفہ الباجسرانی التانی[۵۰] (489-563ھ)

7۔ القاضی ابو المحاسن عمر بن علی بن الخضر القرشی (525-575)[۵۱]

8۔ الامام الحافظ الثقہ ابو سعد عبدالکریم بن محمد ابن منصور بن محمد بن عبدالجبار التمیمی السمعانی (506-562ھ)[۵۲]

9۔ الشیخ الثقہ ابو طالب عبداللطیف بن محمد بن علی بن حمزہ بن فارس بن القبیطی الحرانی (554-641ھ)[۵۳]

10۔ الشیخ العدل ابو العباس احمد بن المفرج بن علی بن عبدالعزیز بن مسلمۃ الدمشقی (555-650)[۵۵]

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور کے مشہور ترین علما:۔

پانچویں صدی ہجری تاریخ اسلام میں وسعت علم اور تقدم فی الادب میں خصوصاً شہرت رکھتی ہے۔ اس صدی میں نابغہ روزگار علماء اور صاحب تصنیف و تالیف شخصیات پیدا ہوئیں۔ اس صدی کے آخری لوگوں میں ابو اسحاق شیرازی، حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی، ابو الوفاء ابن عقیل، علامہ عبدالقادر جرجانی، ابو زکریاء تبریزی، ابو القاسم حریری جار اللہ زمخشری اور قاضی عیاض مالکی جیسے لوگوں کے نام آتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو صدیوں پر محیط عرصہ تک نظریات و افکار پر چھائے نظر آتے ہیں۔ ان کو ادب اور علم میں درس گاہ کی حیثیت حاصل ہے۔

پانچویں اور چھٹی صدی جیسے نابغہ فن اور حیات علمی سے بھرپور دور

میں اور بغداد جیسے مدارس اور حلقہ ہائے دروس سے سجے شہر میں اتنی شہرت حاصل کر لینا شیر مادر نہیں تھا۔ حضرت شیخ اس تہذیب یافتہ، علم پرور معاشرے میں اس بلندی پر پہنچے کہ علماء دست بستہ حاضر خدمت ہوئے ادیب انگشت بدنداں اور اولیاء نے گردنیں جھکالیں۔ یہ شرف و منزلت صرف اسی شخص کا مقدر بن سکتی ہے جو علم کے ذیور سے آراستہ، آگہی کے اسلحہ سے لیس پاک نگاہ اور پاک باز ہو۔ وہ اپنے دور کے تمام علوم پر حاوی اور حکم ہو۔ شیخ کا کیا یہ اعزاز کم ہے کہ علم و تقویٰ کے اس دور میں آپ نے فرمایا "قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله" اور سر خم ہو گئے اور پورے عالم کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔

مناقب :۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ صفات حمیدہ اور اخلاق عالیہ کا کامل نمونہ تھے۔ آپ کے احوال اور کرامات تواتر سے ثابت ہیں۔ شیخ عزالدین بن عبدالسلام فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اور کسی شخص کی کرامات تواتر کے ساتھ ہم تک نہیں پہنچیں [۵۵]۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے [۵۶]۔

حضرت پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر علماء آپ کی وجاہت علمی کے معترف تھے اور آپ فقہ میں اپنے ہم عصر علماء پر غالب رہے۔ اولیاء کاملین نے اپنی گردنیں آپ کے سامنے خم کر دیں۔ جیسا کہ حضرت شیخ کا ارشاد ہے۔ قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله

"میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے" اولیاء نے اس بات کا اعتراف کیا اور اس کا برملا اظہار بھی کیا۔ سو آپ اپنے دور کے سلطان الاولیاء قرار پائے۔

جب آپ کے علم کے چرچے تھے۔ بغداد کے سو بڑے بڑے علماء کرام اور دانشور اکٹھے ہوئے اور مشورہ کیا۔ طے یہ پایا کہ کل شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس

میں حاضر ہوں گے۔ ہر شخص سوال کرے گا اور ہر شخص کا سوال الگ فن میں ہو گا۔ دیکھئے شیخ بھری مجلس میں کیسے لاجواب ہوتے ہیں۔ یہ لوگ مجلس وعظ میں شریک ہوئے۔ جب بیٹھ چکے تو حضرت نے نگاہ کی۔ آپ کے سینے سے ایک روشنی نمودار ہوئی۔ یہ روشنی نور بصیرت تھا جسے صرف اللہ والے ہی دیکھ سکتے تھے۔ یہ روشنی ان سو علماء اور دانشوروں کے سینوں میں کوندگئی علم کے دعویدار یہ علماء و دانشور مبہوت ہو کر رہ گئے۔ پھر اچانک مضطرب ہوئے ان کی چیخیں بلند ہوئیں۔ گریبان چاک، عمامے سر سے اتار پھینکے اور سر شیخ کے قدموں پر رکھ کر معافی کے خواستگار ہوئے۔ محفل پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی۔ مستی کے عالم میں ایک نعرہ بلند ہوا اور اس کی گونج نے بغداد کے درودیوار ہلا کر رکھ دیے۔ شیخ نے یکے بعد دیگرے تمام کو سینے سے لگایا اور علم کے خزانے انہیں لوٹا دیے۔ پھر ان سے مخاطب ہوئے اور ارشاد فرمایا تمہارے یہ یہ سوال تھے اور ان کے یہ جوابات ہیں۔ مجلس برخاست ہوگئی۔ مفرج بن نبہان نے ان سے پوچھا یہ بے تابیاں اور وجد کی یہ کیفیات کیا تھیں تو ان علماء نے اعتراف کیا شیخ نے بیک نگاہ تمام علوم ہمارے سینوں سے سلب کر لیے پھر سینے سے لگا کر کرم فرمایا۔ یوں لگتا تھا کہ ہم کسی علمی محفل میں شریک تک نہیں ہوئے۔ ابجد ناشناس بن گئے اور جب انہوں نے سینے سے لگایا تو علم کا نور واپس آگیا" [۵]

مقامات اکثر دھوکہ بن جاتے ہیں لیکن مقامات تصوف شیخ کے لیے حجاب نہ بن سکے۔ آپ کبھی بھی دھوکہ میں مبتلا نہ ہوئے۔

آپ اس حقیقت کو پا گئے تھے کہ علم حقیقت وہی ہے جو علم معرفت کے ساتھ ساتھ شریعت کی رسوم کی پابندی سکھائے۔ علم شریعت کی مخالفت شیطانی دھوکہ ہے۔ اگرچہ اس کا صدور کسی مدعی ولایت سے ہی کیوں نہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں۔ عزلت نشینی کے عرصے میں مجھے چند دن ایک ویرانے میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ کئی دن تک پانی نہ ملا۔ میں پیاس سے نڈھال ہو گیا۔ اچانک ایک بادل نمودار ہوا اور میرے سر پر تن گیا۔ شبنم کی طرح ہلکی ہلکی پھوار شروع ہو گئی۔ میں

نے اسے رحمت خداوندی خیال کیا اور اس سے سیراب ہوا۔ اسی لمحے اس بدلی سے نور نمودار ہوا جو افق در افق پھیلتا چلا گیا۔ پھر اس میں سے ایک شخص دکھائی دیا اور کہنے لگا عبدالقادر! میں تیرا خدا ہوں۔ میں نے سب محرمات تیرے لیے حلال کر دیے۔ جو چیزیں دوسروں کے لیے حرام ہیں تیرے لیے حلال قرار پائیں۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ میں نے کہا پناہ بخدا! لعین دور ہو۔ یہ کہنے کی دیر تھی کہ وہ نور تاریکی میں تبدیل ہوا اور وہ صورت دھواں بن کر ہوا میں تحلیل ہو گئی۔ پھر آواز آئی عبد القادر! تیرے خداداد علم نے تجھے بچالیا ورنہ میں اس حربے سے ستر اصحاب مقام کو گمراہ کر چکا ہوں۔ میں نے کہا اللہ کی پناہ۔ میرے علم نے نہیں میرے رب کے فضل و کرم نے تجھ لعین سے مجھے محفوظ رکھا۔ کسی نے آپ علیہ الرحمۃ سے پوچھا حضور! آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ شیطان ہے تو آپ نے فرمایا کہ جب اس نے کہا میں محرمات کو تیرے لیے حلال ٹھہراتا ہوں تو میں سمجھ گیا کہ یہ شیطان کی کارستانی ہے۔ [۵۸]

شیخ رحمۃ اللہ علیہ تمسک بالکتاب والسنہ و منہج نبوی ﷺ کی اتباع کی ترغیب دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ ہر وہ حقیقت جس کی گواہی شریعت نہ دے زندقہ ہے۔ کتاب و سنت دو پر ہیں انہیں دو پروں کے ساتھ بارگاہ الٰہی کی طرف پرواز کرنی چاہیے۔

تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح حاضر ہو کہ تیرا ہاتھ رسول کریم ﷺ کے دست اقدس میں ہو۔ رسول کائنات ﷺ کو اپنا وزیر اور معلم بنالے۔ [۵۹]

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے مشہور ہے کہ آپ محفل میں موجود لوگوں کے دلوں میں اٹھنے والے خیالات سے متعلق گفتگو فرماتے تھے۔ ستر ہزار دلوں کو ٹٹولنا اور پھر ان کا علاج کرنا محض اللہ کی عطا ہو سکتی ہے۔ اس کرامت کی روایت میں تواتر ہے۔ شیخ ابو بکر العماد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اصول الدین کی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ دل میں ایک شک پیدا ہوا۔ میں نے شیخ کی مجلس میں حاضری کی ٹھان لی۔ کیونکہ سن رکھا تھا آپ احوال قلوب پر آگاہ ہو

جاتے ہیں۔ آپ نے دوران تقریر فرمایا ہمارا اعتقاد وہی ہے جو سلف صالحین اور صحابہ کرام کا تھا۔ میں نے اس جملے کو اتفاق پر محمول کیا آپ نے سلسلہ گفتگو جاری رکھا میری طرف نگاہ کی اور دوبارہ یہی جملہ دہرایا۔ میں نے سوچا واعظین ادھر ادھر دیکھ کر تقریر کرتے ہیں۔ یہ محض اتفاق ہے۔ تیسری بار حضرت نے پھر التفات فرمایا اور گویا ہوئے ابو بکر! ہمارا اعتقاد وہی ہے جو سلف صالحین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ اٹھو تمہارے والد گھر پہنچ گئے ہیں۔ حالانکہ والد گرامی عرصہ سے لاپتہ تھے۔ میں اٹھ کھڑا ہوا اور تیز تیز چلتا ہوا گھر پہنچا۔ دیکھا تو والد گرامی گھر آچکے تھے۔ [۶۰]

اسی طرح کا ایک واقعہ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں میں نے اصول الدین میں مشغول ہونے کا ارادہ کیا۔ سوچا کیوں نہ اس سلسلے میں شیخ عبد القادر سے مشورہ کرلوں۔ حاضر خدمت ہوا۔ آپ علیہ الرحمۃ نے میرے عرض کرنے سے پہلے ہی فرمادیا اے عمر! یہ قبر کا توشہ نہیں۔ اے عمر! یہ قبر کا توشہ نہیں!۔ [۶۱]

عالم شباب میں شیخ ابھی علمی اور روحانی سفر میں تھے کہ ویرانوں میں نکل جاتے۔ صبح و شام ان دیکھی راہوں پر چلتے رہتے۔ راہ گیر آپ کی آہ وزاری سن کر مضطرب ہو جاتے اور کہہ اٹھتے یہ جوان زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ ایک دفعہ شیخ نے بغداد کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دینے کا ارادہ کیا لیکن غیب سے آواز آئی۔ عبد القادر! بغداد واپس آجاؤ آپ کا وجود اہل بغداد کے لیے سراپا منفعت ہے۔

اس ہاتف غیبی کی بات کی تعبیر مجلس وعظ میں انبوہ کثیر کی صورت میں سامنے آئی۔ ہزاروں لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کی۔ کئی غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ کئی گم کردہ راہ حقیقت آشنا ہوئے۔ [۶۲]

ابو الثناء نہر ملکی فرماتے ہیں کہ ہم نے سنا شیخ پر مکھیاں نہیں بیٹھتیں میں نے حاضری دی۔ خاموشی سے دیکھنے لگا کہ یہ بات کہاں تک صحیح ہے۔ آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا یہاں مکھیوں کا کیا کام؟ میرے پاس نہ تو دنیا کا شیرہ

ہے اور نہ آخرت کا شہد۔

شیخ راسخ العقیدہ اور کامل توحید پر یقین رکھنے والے بزرگ تھے۔ دنیا آپ کو دھوکہ نہ دے سکی۔ آرائش دنیوی کی طرف آپ نے آنکھ بھر کر نہ دیکھا۔ آپ کو مکمل یقین تھا کہ اسباب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اور مُسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہے اغنیاء، امرا اور کارکنان سلطنت کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ آپ انسان کی بے بسی کو ایک مثال سے واضح فرماتے۔

تمام مخلوق ایک ایسے آدمی کی مانند سمجھ جس کی مشکیں ایک عظیم فرمانروا نے کس دی ہوں۔ بادشاہ جابر و قاہر ہو لوگ اس کی صولت وسطوت سے کانپتے ہوں بادشاہ اس شخص کو گلے میں رسی ڈال کر سولی پر لٹکا دے اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہوں اور وہ ایک وسیع و عریض گہری چنگھاڑتی ندی کے کنارے صنوبر کے درخت کے ساتھ لٹک رہا ہو بادشاہ اپنے عظیم تخت پر بیٹھا ہو۔ اور یہ تخت بلندی میں آسمان سے باتیں کر رہا ہو کسی شخص کا ہاتھ اس تک نہ پہنچ سکتا ہو۔ بادشاہ کے پہلو میں طرح طرح کے تیر بھالے، نیزے اور دوسرا سامان حرب پڑا ہو اور ایسا اسلحہ اس کے پاس ہو جیسا نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہو اور نہ کسی کان نے سنا ہو۔ بادشاہ مصلوب شخص پر تیروں کی بارش کر دے۔ کیا کوئی عقلمند اس مقتول سے کوئی امید وابستہ کر سکتا ہے یا کسی کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ سولی پر لٹکتا یہ شخص کہیں میرا نقصان نہ کر دے یقیناً سب کی نگاہیں بادشاہ پر لگی ہوں گی۔ مصلوب شخص کو نفع و نقصان کا مالک سمجھنے والا یقیناً فاتر العقل ہو گا۔ وہ انسان نہیں حیوان کہلانے کا زیادہ مستحق ہو گا[۶۳]۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ میں خشیت الٰہی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی بات بات پر رو دیتے تقویٰ میں کمال حاصل تھا مجیب الدعوات اتنے کہ ہاتھ اٹھتے ہی مراد بر آتی۔ اخلاقی بلندی میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کا پسینہ خوشبودار تھا۔ اپنے وقت میں سب سے زیادہ خوف خدا اور قربت خداوندی کے حامل تھے۔ اپنی ذات کیلئے کبھی ناراض نہ ہوتے۔ کوتاہی کا تصور کر کے بھی کانپ جاتے کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا۔ سائل کو کچھ دیکر ہی واپس کرتے چاہیے جسم کے کپڑے اتار کر

دیئے پڑ جاتے۔[۶۴]

ہم نے آپ علیہ الرحمۃ کی جو کرامات اور مناقب بیان کیے ہیں شاید ان کا تعلق علم اور علماء سے ہے۔ ورنہ آپ کی قدر و منزلت اور شرافت و کرامت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اگر دوسری کرامات کا تذکرہ چھڑ جاتا تو بات بہت لمبی ہو جاتی۔ اکثر علمائے امت نے کہا ہے کہ شیخ کی کرامات بے شمار ہیں حصر مشکل ہے۔ علماء امت نے آپ کی کرامات پر مستقل تصنیفات تحریر کی ہیں۔ ہم نے صرف رہنمائی کی ہے جو لوگ شوق رکھتے ہوں وہ ان کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں[۶۵]

سفر آخرت :۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ نے اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ اکتساب علم و معرفت میں گزارا۔ علم حقیقت تک پہنچنے کے بعد آپ نے وعظ و تلقین کے ذریعے اس نور کو امت محمدیہ میں تقسیم فرمایا۔ مدرسہ اندروں باب ازج میں آپ نے 528ھ سے 561ھ[۶۶] تک کل تینتیس سال تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا اپنی پوری زندگی تحصیل علم، تدریس، فتوی نویسی، توجیہ، وعظ وارشاد، احوال و مقامات کے حصول اور کشف و مشاہدہ میں گزار دی۔ آپ ایک عالم۔ زاہد، عابد، عارف بزرگ تھے۔ نوے (90) سال اس جہان فانی میں گزارنے کے بعد دس ربیع الاول 571ھ کو اس دار فانی سے دار بقا کی طرف رجوع کیا۔ بے شمار خلق خدا نے آپ کو رخصت کیا۔ آپ بغداد میں باب ازج کے اندر واقع اپنی درس گاہ میں مدفون ہوئے[۶۷] کسی شاعر نے قطع تاریخ لکھا۔

لَقَدْ كَانَ فِیْ عِشْقٍ عُمُرٌ بِهٖ نَمَا

وَلِقِیَاهُ لِلْمَوْلٰی تَمَامَ سِیَادَةٍ

470ھ	91	561ھ
ولایت	زندگی	وفات



حواشی

۱۔ ابن رجب الطبقات میں حضرت شیخ کا نسب نامہ یوں تحریر کرتے ہیں۔ عبد القادر بن ابی صالح بن عبد اللہ یعنی ابی صالح کے بعد لفظ ابن کا اضافہ کرتے ہیں۔
ابن الوردی تتمۃ المختصر فی اخبار البشر جلد 4 صفحہ 107 پر فرماتے ہیں کہ شیخ کا شجرۂ نسب یہ ہے عبد القادر بن ابی صالح، موسیٰ جنگی دوست زر کلی الاعلام جلد 4 صفحہ 47 پر شیخ کے والد کا نام عبد اللہ تحریر کرتے ہیں۔

۲۔ حلبی "قلائد الجواھر" جلد تین میں تحریر فرماتے ہیں کہ جنگی دوست عجمی لفظ ہے جس کا معنی قتال کا شوقین ہے

۳۔ "فوات الوفیات" جلد 2 ص 373 پر ابن شاکر الکبتی لکھتے ہیں کہ شیخ کا نسب نامہ امام حسین بن علی المرتضیٰ سے جاملتا ہے۔

۴۔ "الطبقات" از ابن رجب، "جامع کرامات الاولیاء" از نبہانی جلد 2 ص 204

۵۔ المراصد جلد 1 ص 368 پر بغدادی لکھتے ہیں کہ جیلان طبرستان سے آگے بہت سارے شہروں کا نام ہے۔ یہ تمام قصبے سرسبز و شاداب پہاڑوں کے درمیان اور بحر طبرستان کے ساحل کے ساتھ ساتھ واقع ہیں

۶۔ تتمۃ المختصر فی اخبار البشر۔ ابن الوردی۔ جلد 2 ص 108

۷۔ آپ کی والدہ فرماتی ہیں کہ جب عبد القادر پیدا ہوئے تو رمضان کا مہینہ تھا۔ آپ دن کے وقت میرا دودھ نہیں پیتے تھے۔ یہ کرامت حلبی کی "قدائد الجواھر فی مناقب عبد القادر" جلد تین میں مذکور ہے۔

۸۔ سیر اعلام النبلاء۔ ذہبی جلد 20 ص 439

۹۔ سیر اعلام النبلاء ذہبی جلد 20 ص 443 بحوالہ تاریخ ابن النجار

۱۰۔ ابن منظور لسان العرب ج 2 ص 46 پر فرماتے ہیں کہ لفظ السمت کا معنی ہے شیریں مقال اور خوش خصال لوگوں کو اذیت نہ دینا اور ہدایت کی پیروی کرنا

۱۱۔ "مختصر طبقا الحنابلہ" ابن شطی ص 41

۱۲۔ مختصر طبقات الحنابلہ۔ ابن شطی ص 41

۱۳۔ سیر اعلام النبلاء۔ ذہبی۔ ج 20 ص 444

۱۴۔ المستدرک علی معجم المؤلفین : عمر کحالہ ص 401

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ معجم المؤلفین : عمر کحالہ، ج 5 ص 307

۱۷۔ ایضاح المکنون : میر سلیم، ج 1 ص 257

۱۸۔ معجم المؤالفین : عمر کحالہ۔ ج 5 ص 307

۱۹۔ کشف الظنون : حاجی خلیفہ، ج 1 ص 662

۲۰۔ المستدرک علی معجم المؤلفین۔ عمر کحالہ، ص 401

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ کشف الظنون : حاجی خلیفہ۔ ج 1 ص 879

۲۴۔ المستدرک علی معجم المؤلفین۔ ج 1 ص 662

۲۵۔ کشف الظنون۔ حاجی خلیفہ ج 2 ص 1211 پرانا اڈیشن

۲۶۔ معجم المؤلفین۔ عمر کحالہ۔ ج 5 ص 307۔ پرانا اڈیشن

۲۷۔ کشف الظنون۔ حاجی خلیفہ۔ ج 2 ص 1240۔ پرانا اڈیشن

۲۸۔ المستدرک علی معجم المؤلفین : عمر کحالہ، ص 401

۲۹۔ کشف الظنون : حاجی خلیفہ ج 2 ص 1738

۳۰۔ کشف الظنون : حاجی خلیفہ۔ ج 2 ص 2053

۳۱۔ آپ علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور کام پر مکتبہ جیلانی بغداد میں کام جاری ہے۔ انشاء اللہ بہت سے اور گوشے واضح ہونگے

۳۲۔ سیر اعلام النبلاء : ذہبی ج 19 ص 228 ج 20 ص 440

۳۳۔ ص 235

۳۴۔ ایضاً ص 240 ایضاً

۳۵- لسان المیزان۔ ابن حجر عسقلانی۔ ج1ص311

۳۶- سید اعلام النبلاء۔ ذہبی۔ ج19ص257۔ ج20ص440

۳۷- سیر اعلام النبلاء۔ ذہبی۔ ج19ص386ص387

۳۸- لسان المیزان۔ ابن حجر عسقلانی۔ ج6ص189۔190

۳۹- المنتظم فی تاریخ الملوک والامم۔ ابن جوزی، ج9ص182

۴۰- سیرۃ اعلام النبلاء۔ ذہبی۔ ج19ص428

۴۱- مختصر طبقات الحنابلہ۔ ابن شطی ص40-42

۴۲- ایضاص35-36 المنہج الاحمد فی تراجم اصحاب الامام احمد۔ از۔ علیمی ج2ص237

۴۳- معجم الادباء۔ یاقوت حموی۔ ج20ص25 -28

۴۴- سیر اعلام النبلاء۔ ذہبی۔ ج21ص301

۴۵- الوافی بالوفیات۔ صفدی۔ ج-4ص352

۴۶- التکملہ لوفیات النقلہ : منذری، ج2ص156

۴۷- سیر اعلام النبلاء۔ ذہبی۔ ج21ص 443-471

۴۸- قوات الوقیات۔ ابن شاکر الکبتی۔ ج2ص295-296

۴۹- العبر فی خبر حق غبر۔ ذہبی ص36

۵۰- المنتظم فی تاریخ الملوک والامم۔ ابن جوزی۔ ج10ص223

۵۱- الکامل فی التاریخ۔ ابن اثیر۔ ج۔11ص461

۵۲- المنتظم فی تاریخ الملوک والامم۔ ابن جوزی۔ ج01ص224-225

۵۳- سیر اعلام النبلاء۔ ذہبی ج23ص87

۵۴- سیر اعلام النبلاء۔ ذہبی۔ ج23ص281-282)

۵۵- شذرات الذھب فی اخبار من ذھب۔ ابن عماد حنبلی۔ ج4ص200

۵۶- تتمہ المختصر فی اخبار البشر۔ ابن الوردی۔ ج2ص111

۵۷- قلائد الجواہر فی مناقب عبد القادر۔ حلبی ص33

۵۸- شذرات الذھب فی اخبار من ذھب ابن العماد الحنبلی، ج4ص200

۵۹۔ الفتح الربانی والفیض الرحمانی۔ جیلانی۔ چوالیسویں مجلس۔ اس بارے ہماری تحقیق عنقریب انشاء اللہ منظر عام پر آجائے گی۔

۶۰۔ سیر اعلام النبلاء۔ ذہبی ج 20 ص 442

۶۱۔ طبقات الحنابلہ۔ ابن رجب حنبلی۔ ج 1 ص 296۔297

۶۲۔ شذرات الذھب فی اخبار من ذھب۔ ابن العماد الحنبلی۔ ج 4 ص 202 تبصرف

۶۳۔ فتوح الغیب۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی۔ دسواں مقالہ انشاء اللہ اس بارے تحقیق عنقریب منصۂ شہود پر آرہی ہے۔

۶۴۔ تفریح الخاطر۔ اربلی ص 15

۶۵۔ یہاں محشی نے ان تمام کتابوں کے نام دیے ہیں جن میں حضرت شیخ کی کرامات کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان کا ذکر نسخوں کے تعارف میں کیا جاچکا ہے۔ اعادہ ضروری نہیں۔

۶۶۔ مختصر طبقات الحنابلہ۔ ابن شطی 41

۶۷۔ سید اعلام النبلا۔ ذہبی ج 20 ص 450

اصطلاحات کتاب ھذا

(ا)

احدیت

اس سے مراد مخلوق کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا۔

اسماء توحید :۔

اللہ تعالیٰ کے اصلی نام سات ہیں۔ ان سات سے پھر چھ اور نام نکلتے ہیں۔ ان تمام اصلی اور فرعی اسماء کے مجموعے کو اسماء توحیدی کہتے ہیں۔ اصلی نام یہ ہیں۔ (لاالہ الا اللہ۔ ھو، حی، واحد، عزیز، ودود) فرعی چھ نام۔ (حقؒ، قھارؒ، قیوم، وھاب مھیمنؒ، باسط[1]

انسیت :۔

دل کے مشاہدہ سے روح کا لطف اندوز ہونا۔

اہل صفہ :۔

حضور ﷺ کے وہ غریب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو سب کچھ چھوڑ کر دعوت وارشاد کے ہو کر رہ گئے تھے۔[2]

(ب)

بدایت :۔

اسماء وصفات کا عالم ارواح میں تحقق۔

بصیرت :۔

وہ قوت جو اولیاء کے دل سے پھوٹتی ہے اور نور قدس سے منور ہوتی ہے۔ اس سے انسان اشیاء کی حقیقت اور ان کے باطن کو دیکھتا ہے۔ اسے قوت قدسیہ بھی کہتے ہیں۔

(ت)

تجرید :۔

اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنا واجب ہے انسان کا اپنے دل کو اغراض دینا اور حال و مستقبل کی مصلحتوں سے پاک کر لینا تجرید ہے۔

تجلی :۔

غیبی انوار جو دلوں پر منکشف ہوتے ہیں۔

تجلی ذات :۔

اس سے مراد مکاشفہ ہے۔ اس کا مبداء ذات خداوندی ہے اور یہ صرف اسماء و صفات کے واسطے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

تجلی صفات :۔

بندے کا صفات خداوندی سے متصف ہونے کو قبول کر لینا تجلی صفات ہے۔

تلبیس :۔

کسی شخص کا یہ گمان کرنا کہ میں نے استقامت، توحید اور اخلاص کا لباس پہن رکھا ہے (لہذا میں اللہ کا ولی ہوں) لیکن حقیقت میں وہ لباس شیطانی دھوکہ ہو۔ اسے تلبیس کہتے ہیں۔ کبھی کبھی ایسے مدعی ولایت کے ہاتھ پر خرق عادت کا ظہور ہو جاتا ہے وہ کرامت نہیں ہوتی بلکہ اسے مخادعہ (استدراج) کہتے ہیں۔

توحید :۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، یکتائی اور اس کے لاشریک ہونے کا حکم لگانا توحید ہے۔ توحید کے کئی ارکان اور مراتب ہیں۔

(ج)

جسم جسمانی :۔

وہ جسم جو عالم ملک میں ہوتا ہے۔

جسم جلالی :۔

اس سے مراد قہر، عظمت، کبریائی، بزرگی، بلندی اور اقتدار کی صفت ہے۔

(ح)

حجابات ظلمانی :۔

طالب اور مطلوب کے درمیان حائل پردے۔ دراصل یہ شہوات و لذات جیسی جسم کی ظلمتوں کا دوسرا نام ہے۔

حجابات نورانی :۔

یہ بھی طالب و مطلوب کے درمیان پردے ہیں لیکن ان کا تعلق محرکات باطینہ سے ہے مثلاً عقل، سر، روح خفی جیسے نور روح کے پردے۔

حجلہ انس :۔

اس سے مراد عالم لاہوت ہے۔

حق الیقین :۔

یقین کی وہ انتہاء جو واصلین کی غایت ہے اس سے مراد صدق یقینی ہے اور اس کی شہادت وہ سالک دیتے ہیں جو مقامات علیا پر فائز ہوتے ہیں۔ یہ فناء فی

اللہ کا مقام ہے۔

حقیقت محمدیہ :۔

اس سے مراد حیات روحی اور حیات حیوی کا مصدر ہے۔ یہ اہل ایمان کے دلوں کی زندگی ہے۔ حقیقت محمدیہ خلق کی پیدائش کا سبب اور ماسوای اللہ کی اصل ہے۔

(د)

درجات :۔

شریعت (علم ظاہری) پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے انسان کو جو ثواب ملتا ہے اسے درجات کہا جاتا ہے۔

دار فروانی :۔

اس سے مراد وہ گھر ہے جو مقامات عالیہ پر فائز لوگوں کو ارزانی ہوتا ہے۔ اسی گھر میں اللہ تعالیٰ عارفین کی حفاظت فرماتا ہے اور کائنات کی نگاہوں سے انہیں پوشیدہ رکھتا ہے۔ عارفین اسی گھر میں جلوہ فرما ہوں گے اور ان پر بلند و بالا گنبد ہوں گے یہ ان کے درجات کا صلہ ہو گا۔

رؤی :۔

وہ علمی راز جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی مخلص بندے کے دل میں ودیعت فرماتا ہے۔

روح اعظم :۔

عقل اول، حقیقت محمدیہ، نفس واحدہ، سب سے پہلے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا، خلیفہ اکبر، جوہر نورانی جسے جوہریت کے اعتبار سے نفس واحدہ نورانیت کے اعتبار سے عقل کہتے ہیں۔ اسی کے لیے عالم میں مظاہر کا وجود ہے۔ اسی سے عقل اول، قلم اعلیٰ، نور، نفس کلیہ اور لوح محفوظ جیسے اسماء کا وجود ہے۔

روح روانی :۔

عالم ملکوت میں نورانی ارواح کا لباس۔اسے روح سیرانی بھی کہتے ہیں۔

روح سلطانی :۔

اللہ تعالیٰ کا وہ نور جو اس نے دونوں عالم ، عالم لاہوت اور عالم جبروت کے درمیان ارواح کو عطا فرمایا

روح سیرانی :۔

اس سے مراد روح روانی ہے جس کا تعارف پہلے گزر چکا ہے۔

روح قدسی :۔

عالم لاہوت میں نور کا لباس

ریاضت :۔

دل کو طبیعت کے تقاضوں اور اس کی خواہشات سے پاک کرنا۔

(س)

سواد الوجہ فی الدارین :۔

کلیۃً اللہ تعالیٰ میں فنا ہو جانا۔ اس طرح کہ انسان کا مطلقاً اپنا وجود نہ رہے۔ نہ ظاہر نہ باطناً۔ نہ دنیاوی اعتبار سے اور نہ اخروی اعتبار سے۔ یہی فقر حقیقی اور رجوع الی العدم ہے۔

(ط)

طریقت :۔

سالکین کی راہ جو انہیں واصل بحق کرتی ہے۔ مثلاً منازل سلوک کا طے کرنا اور مقامات میں ترقی کرنا۔

طفل معانی :۔

عالم لاہوت میں روح کی پہلی صورت جس صورت پر اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا۔ اسے انسان حقیقی بھی کہتے ہیں۔

(ع)

عالم اصلی :۔

وہ عالم جس میں اللہ تعالیٰ نے نور محمدی سے تمام ارواح کو پیدا فرمایا۔ اسے عالم لاہوت بھی کہتے ہیں۔

عالم جبروت :۔

عالم لاہوت سے ارواح جس دوسرے عالم کی طرف اتریں اس دوسرے عالم کو عالم جبروت کہتے ہیں۔ عالم جبروت دو عالموں، عالم لاہوت اور عالم ملکوت کے درمیان واقع ہے۔ عالم جبروت کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں احکام خداوندی کے مطابق امور سرانجام پاتے ہیں۔

عالم حقیقت :۔

یہ عالم لاہوت میں انبیاء و اولیاء کا مقام ہے۔ اس کی تشریح میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد محل وصال ہے جہاں انسان واصل بحق ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ایک تیسرا قول بھی ہے کہ عالم حقیقت سے مراد عالم احسان میں دخول ہے۔ اسی کو عالم قربت کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

عالم قربت :۔

اسے عالم حقیقت بھی کہتے ہیں۔ جس کی تشریح ابھی آپ پڑھ کر آئے ہیں۔

عالم لاہوت :۔

روحوں کا پہلا وطن جہاں وہ تخلیق ہوئیں۔ اسی عالم میں محو و فنا ہے۔ کیونکہ فانی کو اسی عالم میں قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ اس عالم تک ملائکہ

نہیں پہنچ سکتے۔

عالم الملک :۔

عالم شہادت یا عالم اجسام واعراض۔ اسی عالم میں روحیں جسموں میں داخل ہوتی ہیں۔ اس کا دوسرا نام عالم سفلی ہے۔

عالم الباطن :۔

دل میں ظاہر ہونے والا علم نہ کہ ظواہر میں۔ صوفیاء کرام علیہم الرحمۃ کی جماعت نے اس کی کئی قسمیں بیان کی ہیں۔ مثلاً علم، حال، خواطر، یقین، اخلاص، اخلاق نفس کی معرفت، اقسام دنیا کی معرفت، توبہ کی ضرورت، توبہ کے حقائق، توکل، زھد، انابت، فنا، علم لدنی۔

علم حقیقت :۔

اس سے مراد علم ظاہری اور باطنی کا مجموعہ ہے۔ اس علم کا حصول ہر مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اسی کو علم شریعت کہتے ہیں۔

علم العرفان :۔

یہ علم دل کا چراغ ہے۔ اس کی روشنی میں انسان خیر و شر کو دیکھ سکتا ہے۔ انسان جس قدر اللہ تعالیٰ کی بادشاہی، اس کی پیدا کردہ کائنات اور اس کی صفات میں غور و فکر کرتا ہے اسی قدر اس کا اشتیاق بڑھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے جمال کو منکشف دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ اسماء و صفات خداوندی میں اور زیادہ غور و تدبر کرتا ہے۔ اسے علم تفکر بھی کہتے ہیں۔

علم یقین :۔

یہ علم عطائی ہے اور صرف اولیاء کاملین و مقربین کو نصیب ہوتا ہے۔ اس کا طریق الہامات، تجلیات فتوحات، مکشوفات اور مشاہدات ہیں۔ اسی کو علم لدنی کہتے ہیں۔

عین الروح :۔

اسے بصیرت بھی کہتے ہیں۔ بصیرت کی تعریف پہلے گزر چکی ہے۔

عین الیقین :۔

یہ عطیہ ربانی ہے یہ علم الیقین کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

(ف)

فانی :۔

اس شخص کو کہتے ہیں جو حظوظ نفس کے شہود سے فنا ہو گیا۔

فقر :۔

یہ تصوف میں بہت بلند مقام ہے۔ اس مقام پر فائز لوگ دنیا و مافیھا سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور انہیں بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کی ضرورت نہیں رہتی۔

فناء :۔

بشریت کی صفات ذمیمہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے نہیں صفات سے بدل دینا۔

(ق)

قربت :۔

اسماء و صفات سے بندے کا علم و معرفت میں مستحکم ہو جانا اس طرح کہ کوئی چیز اسے مقصود سے دور نہ کر سکے۔

قدرت :۔

وہ قوت جو ممکنات کو عدم سے وجود میں لاتی ہے۔ اسے صفت ربوبیت بھی کہتے ہیں۔

(ک)

الکسوۃ العنصریہ :۔

(لباس عنصری) اس سے مراد نور کا لباس ہے جو روحوں کو عالم الملک میں عطا ہوا ہے۔

کنز :۔

ذات احدیت جو غیب کے پردوں میں چھپی تھی۔

محویت :۔

بندے کا اللہ کی ذات کے علاوہ ہر وجود سے لاتعلق ہو جانا۔

مشاہدہ :۔

دل کی آنکھ سے حق کو دیکھنا۔

معرفت :۔

یہ ولی اللہ کی صفت ہے جو حق سبحانہ تعالیٰ کو اس کے اسماء صفات سے پہچانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے معاملات میں سچائی پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس کو اخلاق رذیلہ اور اس کی آفات سے پاک و صاف کر دیتا ہے۔ اس تزکیہ کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کا ہو کر رہ جاتا ہے وہ "سر" میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کرتا ہے اور یہاں اس کی حاضری دائمی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ ایسے میں وہ حق کا ترجمان بن جاتا ہے۔ اس کے اسرار قدرت کو بیان کرتا ہے۔ اور تصرفات کے بارے گفتگو کرتا ہے۔ معرفت کے حامل شخص کو عارف کہتے ہیں۔

مقام :۔

اس سے مراد بندے کا وہ مرتبہ ہے جو وہ توبہ، زھد، صبر و توکل جیسی عبادات، ریاضات اور مجاہدات کے ذریعے بارگاہ خداوندی میں حاصل کرتا ہے۔ جب تک وہ ایک مقام کے احکام پر پورا نہیں اترتا دوسرے مقام کی طرف ترقی نہیں کر سکتا۔

مکاشفہ :۔

اتصال یا تعلق باللہ کا نام مکاشفہ ہے۔ مکاشفہ سے چھپے راز عیاں ہو جاتے ہیں اور انسان باطن کی آنکھ سے سب کچھ دیکھنے لگتا ہے۔

(ن)

نفس امارہ :۔

جو نفس بشری شھوانی طبیعت کے تقاضوں کا مطیع و فرمانبردار ہو نفس امارہ کہلاتا ہے۔ نفس امارہ اوامر و نواہی کی کچھ پرواہ نہیں کرتا اور لذات نفسانی میں منہمک رہتا ہے۔

نفس مطمئنہ :۔

ایسا نفس جسے حق سے سکون حاصل ہو اور وہ طمانیت کی کیفیت پا چکا ہو۔

نفس ملہمہ :۔

ایسا نفس الہام خداوندی سے بھلائی کے کام کرتا ہے۔ لیکن بتقاضا طبیعت اس سے برے کام بھی ہو جاتے ہیں۔

نہایت :۔

روح کا اس صفاء کی طرف رجوع جو اُسے تعلق بالجسد سے پہلے حاصل تھی۔

نور قدسی :۔

وہ نور جس کا فیض عالم ملکوت اور عالم جبروت کو پہنچتا ہے۔

(و)

وجد :۔

حق کے راز کو پا کر روح کا خشوع اختیار کرنا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب انسان ذکر کی حلاوت محسوس کرتا ہے تو اس کے دل میں عشق کی چنگاری بھڑک اٹھتی ہے جسے وہ برداشت نہیں کر سکتا اور ضبط کے باوجود بھی کسی نہ کسی رنگ میں اظہار ہو جاتا ہے۔ اظہار کی کیفیت وجد ہے۔

وجود :۔

سلطان حقیقت کے غلبے کے وقت بشریت کا فنا وجود ہے۔

وصال :۔

اتصال بالحق کا دوسرا نام ہے وصال مخلوق سے انقطع کی قدر ہوتا ہے۔ ادنیٰ وصال دل کی آنکھ سے مشاہدہ ہے۔ جب حجاب اٹھ جاتا ہے اور تجلی پڑتی ہے تو سالک کو اس وقت واصل کہا جاتا ہے

(ی)

یقین :۔

شک کا ازالہ۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔

حواشی

۱۔ اپنی کتاب میں شیخ عبدالقادر کے ایک ارشاد کا حصہ ہے (الاسماء العظیم للطریق الی اللہ) انشاء اس پر تحقیق عنقریب منظر عام پر آ رہی ہے۔

۲۔ صفہ چبوترے کو کہتے ہیں۔ کچھ غریب صحابہ مسجد نبوی میں بنے ہوئے صفہ (چبوترے) پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتے اور مسجد میں ہی رہتے۔ انہیں لوگوں کو اہل صفہ کہا جاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا بہت سا حصہ انہیں کے ذریعے روایت ہوا۔ (ظفر)

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا مقدمہ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو قادر، علیم، بصیر، حلیم، وہاب، رحمٰن ور حیم ہے۔ وہ ساری کائنات کا پروردگار ہے۔ اسی ذات اقدس نے اپنے نبی کریم پر قرآن جیسی عظیم اور پر حکمت کتاب نازل فرمائی ہے۔ اس کتاب میں دین قویم اور صراط مستقیم ہے۔

بے حد و بے حساب صلاۃ و سلام ہوں خاتم رسالت، ھادی بر حق، صاحب عزت و تکریم، صادق و امین ذات اقدس پر جو نبی امی، عربی الاصل ہیں اور عرب و عجم کی طرف بہترین کتاب لانے والے ہیں۔ جن کا اسم گرامی محمد ہے اور صلاۃ و سلام ہوں آپ کی ال اطہار پر اور عظمت کردار کے مالک فخر انسانیت صحابہ کرام پر۔

حمد و صلاۃ کے بعد (عرض ہے) کہ :۔

علم ایک عالی مرتبت، قابل فخر، نفع اندوز اور بزرگ ترین دولت ہے۔ اسی دولت کے ذریعے انسان رب العالمین تک پہنچتا ہے اور انبیاء مرسلین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیھم کی تصدیق کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بندگان خدا کی ہدایت و رہنمائی کیلئے جن برگزیدہ اشخاص کو منتخب فرمایا ان میں علماء کرام کو خصوصیت حاصل ہے۔ یہ لوگ انسانیت کے سر خیل اور ہادیان عالم کے چنیدہ ہیں۔ علماء انبیاء کرام کے وارث اور نائب ہیں۔ وہ مسلمانوں کے آقاو مولا ہیں۔ رب قدوس کا ارشاد پاک ہے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ (فاطر:3632/35)

''پھر ہم نے وارث بنایا اس کتاب کا ان کو جنہیں ہم نے چن لیا تھا اپنے بندوں سے۔ پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض درمیانہ رو ہیں اور بعض سبقت لے جانے والے ہیں نیکیوں میں''

حضور علیہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

''اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ بِالْعِلْمِ يُحِبُّهُمْ اَهْلُ السَّمَاءِ وَتَسْتَغْفِرُ لَهُمُ الْحِيْتَانُ فِى الْبَحْرِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ''[1]

''علماء علم میں انبیاء کے وارث ہیں۔ آسمان والے ان سے محبت کرتے ہیں اور سمندر کی مچھلیاں قیامت تک ان کے لیے دعائے مغفرت کرتی رہیں گی''

حضور اکرم علیہ ﷺ کا اور ارشاد مبارک ہے :

يَبْعَثُ اللّٰهُ الْعِبَادَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يُمَيِّزُ الْعُلَمَاءَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَامَعْشَرَ الْعُلَمَاءِ اِنِّىْ لَمْ اَضَعْ عِلْمِىْ فِيْكُمْ اِلَّا لِعِلْمِىْ بِكُمْ وَلَمْ اَضَعْهُ فِيْكُمْ لِاُعَذِّبَكُمْ اِنْطَلِقُوْا اِلَى الْجَنَّةِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ[2]

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا تو علماء کرام کو ان سے الگ کر لے گا۔ اور فرمائے گا۔ اے علماء کے گروہ! میں نے اپنا علم تمہارے سینوں میں ودیعت فرمایا کیونکہ میں تمہیں جانتا تھا۔ یہ نور تمہارے سینوں میں اس لیے تو نہیں رکھا کہ تمہیں عذاب دوں جاؤ تم سب جنتی ہو۔ میں نے تمہارے قصور معاف فرما دیئے''

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے جنت کو عابدوں کے لیے انعام کی جگہ بنایا اور عارفوں کے لیے قربت کا محل۔

اس (تمہید) کے بعد ابتداء میں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نور جمال سے محمد ﷺ کو پیدا فرمایا جیسا کہ حدیث قدسی ہے:

خَلَقْتُ مُحَمَّدًا اَوَّلًا مِنْ نُوْرِ وَجْهِی[۳]

"میں نے سب سے پہلے اپنی ذات کے نور سے محمد ﷺ کو پیدا کیا"

اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰه رُوْحِیْ وَاَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ وَاَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ وَاَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ والْعَقْلَ[۴]

"سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح کو پیدا فرمایا۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا"

ان تمام چیزوں کا مصداق ایک ہی ہے۔ یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حقیقت محمدیہ کو پیدا فرمایا۔

اسے نور کہا گیا ہے اس لیے کہ یہ ظلمانیت جلالیت سے پاک ہے۔ جیسا کہ رب قدوس کا ارشاد ہے:

قَدْجَاءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُبِیْنٌ (المائدہ :15)

"بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک کتاب ظاہر کرنے والی"

حقیقت محمدیہ کو عقل کہا گیا ہے کیونکہ وہ تمام کلیات کا ادراک رکھتی ہے۔ اسے قلم کہا گیا ہے کیونکہ یہ علم کی منتقلی کا سبب ہے۔ جس طرح عالم حروفات میں قلم انتقال علم کا سبب ہے۔ پس روح محمدی ان تمام چیزوں کا خلاصہ

ہے کائنات کی ابتداء اور اصل ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

اَنَامِنَ اللّٰہِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّی ۵

"میں اللہ سے ہوں اور مؤمن مجھ سے ہیں"

عالم لاہوت میں تمام ارواح نور محمدی سے بہترین اعتدال پر پیدا ہوئیں عالم لاہوت میں اسی کا نام حجلۃ الانس ہے اور یہی عالم انسان کا وطن اصلی ہے۔

جب ذات محمدی کی تخلیق پر چار ہزار سال کا عرصہ بیت گیا تو اللہ تعالیٰ نے نور پاک مصطفیٰ ﷺ سے عرش اور دوسری تمام کلیات کو پیدا فرمایا اور اس کے بعد ارواح کو عالم اسفل کی طرف لوٹا دیا۔ اور اس عالم میں یہ روحیں جسموں میں منتقل ہو گئیں جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنَاہُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ (التین :5)

"پھر ہم نے لوٹا دیا اس کو پست ترین حالت کی طرف"

یعنی پہلے اسے عالم لاہوت سے عالم جبروت کی طرف لوٹایا اور اسے یہاں دونوں حرموں کے درمیان جبروت کے نور سے ایک لباس پہنایا۔ اس لباس کا نام روح سلطانی ہے۔ پھر روح کو اس لباس کے ساتھ عالم ملکوت کی طرف لوٹایا اور یہاں اسے نور ملکوت کا لباس پہنا دیا گیا۔ اس کا نام روح روانی ہے۔ اس کے بعد روح عالم الملک کو لوٹی۔ الملک کے نور کا لباس پہنا اور روح جسمانی کا نام پایا۔ اس عالم میں اجساد تخلیق ہوئے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

مِنہا خَلَقْنَاکُم (طہٰ :55)

"اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا"

روح بحکم ایزدی اجساد میں داخل ہوئی۔ رب قدوس کا ارشاد ہے۔

وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ (الحجر :29)

"اور پھونک دی اس میں اپنے فضل سے روح"

پس جب اجساد سے روحوں کا تعلق قائم ہو گیا تو وہ وعدۂ الست کو بھول گئیں جو وعدہ انہوں نے اپنے رب سے عالم ارواح میں کیا تھا اور کہا تھا کہ ہاں تو

ہمارا رب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ (الاعراف :172)

"کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب ؟"

پس وہ نسیان کی وجہ سے یہیں کی ہو کر رہ گئیں اور اپنے وطن اصلی کو نہ لوٹیں۔ اللہ جو کہ بے حد رحم فرمانے والا اور انسان کا حاجت روا ہے اسے اپنی مخلوق پر رحم آگیا اور اس نے اپنی جناب سے ایک کتاب نازل کی تا کہ اسے پڑھ کر انسان کو وطن اصلی یاد آجائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَذَكِّرۡهُمۡ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ (ابراہیم :5)

"اور یاد دلاؤ انہیں اللہ کے دن"

یعنی وہ دن جب وہ واصل بحق تھے۔ نبوت و رسالت کا ایک طویل سلسلہ چل نکلا بہت سارے انبیاء، رسل اور کتابیں اپنے اپنے وقت پر آئیں تمام انبیاء و رسل کی بعثت اور تمام کتابوں کے نزول کی غرض و غایت ایک ہی تھی کہ بنی آدم کی روح کو وطن اصلی یاد آجائے۔ مگر بہت کم لوگوں کو وہ وطن یاد آیا۔ معدودے چند روحیں تھیں جنہیں اس دنیا میں رہ کر یہ اشتیاق پیدا ہوا کہ وہ وطن اصلی کو لوٹ جائیں اور اپنے رب سے ملاقات کریں۔ نبوت و رسالت کا یہ سلسلہ روح اعظم خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اختتام پذیر ہوا۔ آپ کسی ایک دور یا ایک خطے کے نبی نہیں تھے۔ پوری انسانیت کے بخت خفتہ کو بیدار کرنے کے لیے تشریف لائے اور ہر علاقے کے لوگوں کو خواب غفلت سے جگانا آپ کا منصب قرار پایا آپ کو حکم دیا گیا کہ دلوں کو بصیرت کا نور دیں اور روحوں کے سامنے تنے پردوں کو منکشف کریں جیسا کہ رب قدوس کا ارشاد ہے۔

قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ
اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ (یوسف:108)

"آپ فرما دیجئے یہ میرا راستہ ہے میں تو بلاتا ہوں صرف اللہ کی طرف۔ واضح دلیل پر ہوں میں اور (وہ بھی) جو میری

پیروی کرتے ہیں"

بصرت روح کی آنکھ ہے جو اولیاء کے لیے مقام جان میں کھلتی ہے۔ یہ آنکھ ظاہری علم سے وانہیں ہوتی اس کے لیے عالم لدنی چاہیے جو باطن سے تعلق رکھتا ہے۔ رب قدوس کا ارشاد ہے۔

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (الکہف :65)

"اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے (خاص) علم"

انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اہل بصیرت کی یہ آنکھ کسی ولی صاحب تلقین عالم لاہوت سے باخبر مرشد کامل کے ذریعے حاصل کرے۔

اے بھائیو! ہوش میں آؤ اور توبہ کر کے اپنے رب کی بخشش کی طرف دوڑو۔ اس راہ سلوک میں داخل ہو جاؤ اور روحانی قافلوں کے ساتھ اپنے رب کی طرف لوٹ جاؤ۔ قریب ہے کہ راستہ منقطع ہو جائے اور کوئی ہم سفر نہ رہے۔ یاد رکھو! ہم اس کمینی دنیا کو بسانے نہیں آئے ہمیں اس خرابات سے آخر کوچ کرنا ہے۔ دوستو! ہمیں خواہشات نفس کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ دیکھو! تمہارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہارے لیے چشم براہ ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

غُمِّيَ لِاَجَلِ اُمَّتِيَ الَّذِيْنَ فِي آخِرِ الزَّمَانِ ؎

"میں اپنی امت کے ان لوگوں کے لیے غمگین ہوں جو آخری زمانہ میں ہوں گے"

جو علم ہمیں بارگاہ خداوندی سے عطا فرمایا گیا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ علم ظاہر اور علم باطن۔ یعنی شریعت اور معرفت۔ شریعت کا حکم ظاہر پر لاگو ہوتا ہے اور معرفت کا حکم باطن پر۔ ان دونوں علوم کو نازل کرنے کا مقصد علم حقیقت کو پانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّايَبْغِيَانِ (الرحمٰن :19-20)

"اس نے رواں کیا ہے دونوں دریاؤں کو جو آپس میں مل رہے

ہیں۔ان کے درمیان آڑ ہے آپس میں گڈمڈ نہیں ہوتے"
صرف علم ظاہری سے علم حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی مقصود آسکتا ہے کامل عبادت کے لیے علم ظاہری اور علم باطنی کی تحصیل ضروری ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنسَ اَلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (ذاریات :56)[۸]

"اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن وانس کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں"

"میری عبادت کریں" سے مراد یہ ہے کہ میری معرفت حاصل کریں کیونکہ معرفت کے بغیر عبادت ممکن ہی نہیں۔
معرفت کے حصول کا صرف ایک ذریعہ ہے کہ انسان آئینہ دل سے حجاب نفس کو ہٹادے۔ جب حجاب سرک جاتا ہے تو انسان دل کی گہرائیوں میں چھپے راز کے حسن کو اس آئینے میں عیاں دیکھتا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی ہے۔

كُنْتُ كَنْزاً مَخْفِياً فَاَجْبَبْتُ اَنْ اُعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِكَيْ اُعْرِفَ[۹]

"میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں سو میں نے مخلوق کو پیدا کیا کہ میری معرفت حاصل ہو جائے"

جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی بتادیا کہ تخلیق آدم کی وجہ معرفت خداوندی ہے تو پھر انسان پر لازم ہے کہ وہ معرفت حاصل کرے۔
معرفت کی دو قسمیں ہیں۔ معرفت صفات اور معرفت ذات معرفت صفات دارین میں جسم کیلئے خیر و فضل ہے اور معرفت ذات آخرت میں روح قدسی کے لیے نعمت ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَيَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (البقرہ :87)

"اور ہم نے تقویت دی اسے روح القدس سے"

عارفین روح القدس سے مؤید ہوتے ہیں۔

معرفت کی یہ دونوں قسمیں صرف اسی وقت حاصل ہو سکتی ہیں کہ انسان دونوں علم، علم ظاہر اور علم باطن کو حاصل کرے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ ، عِلْمٌ بِالِلّسَانِ وَذَالِكَ حُجَّةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى اِبْنِ آدَمَ وَعِلْمٌ بِالْجَنَانِ فَذَالِكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ[1]

''علم کی دو قسمیں ہیں، علم لسانی۔ اور علم کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابن آدم پر حجت ہے اور دوسری قسم علم جنانی ہے۔ اور یہ دوسری قسم ہی علم نافع ہے''

سب سے پہلے انسان کو علم شریعت کی ضرورت ہے۔ روح اس علم کے ساتھ جوارح کے کسب کو حاصل کرتی ہے۔ جوارح کا کسب درجات ہیں (ثواب) اس کے بعد اسے علم باطن کی ضرورت پڑتی ہے اور اس علم کے ذریعے روح علم معرفت میں معرفت خداوندی کے کسب کو حاصل کرتی ہے۔ علم معرفت کے حصول کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ انسان ان رسوم کو ترک کر دے جو شریعت اور طریقت کے مخالف ہیں اور نمود و نمائش سے بچتے ہوئے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے نفسانی اور روحانی ریاضتوں کو قبول کرلے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحداً (الکھف :110)

''پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو''

عالم معرفت یعنی عالم لاہوت انسان کا اصلی وطن ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اس عالم میں روح قدسی کی بہترین اعتدال پر تخلیق ہوئی۔

روح قدسی سے مراد انسان حقیقی ہے۔ انسان حقیقی کا اظہار صرف اسی وقت ہوتا ہے جب توبہ کی جائے اور تلقین پر عمل کیا جائے۔

کلمہ لاالہ الااللہ کا لزوم انسان حقیقی کے وجود کو ظاہر کر سکتا ہے بشرطیکہ یہ ذکر پہلے زبان سے، پھر حیات قلبی سے اور پھر لسان جنان سے کیا جائے۔ انسان حقیقی یا روح قدسی کا دوسرا نام طفل معانی ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق قدسی معنویات سے ہے۔ اسے طفل کہنے کی کئی وجوہات ہیں۔

1۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ روح قدسی قلب سے تولد ہوتی ہے جس طرح بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ ماں کی طرح اس کی پرورش قلب کرتا ہے۔ پھر بچے کی طرح روح قدسی پرورش پاتی ہے حتی کہ بلوغت کی عمر کو پہنچ جاتی ہے۔

2۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تعلیم کا سلسلہ اکثر بچپن میں ہوتا ہے۔ بچوں کی طرح روح قدسی کو معرفت کی اکثر تعلیم دی جاتی ہے۔

3۔ جس طرح بچہ گناہ کی آلائشوں سے پاک ہوتا ہے اسی طرح روح قدسی بھی گناہ، شرک غفلت اور جسمانیت سے پاک ہوتی ہے۔

4۔ جس طرح بچہ پاکیزہ صورت ہے اسی طرح روح قدسی بھی پاکیزہ صورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواب میں ملائکہ یا دوسری پاک چیزیں بچے کی مثالی صورت میں نظر آتی ہیں۔

5۔ اللہ تعالیٰ نے ابنائے جنت کو طفولیت کے وصف سے متصف فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد گرامی ہے۔

یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ (الواقعہ: 17)

"گردش کرتے ہوں گے ان کے ارد گرد نوخیز لڑکے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے"

غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ (طور: 24)

"ان کے غلام (بچے) (اپنے حسن کے باعث) یوں معلوم ہوں گے گویا وہ چھپے موتی ہیں"

6۔ روح قدسی کو یہ نام لطافت اور نظافت کی وجہ سے دیا گیا ہے۔

7۔ یہ اطلاق مجازی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق بدن سے ہے اور یہ انسان کے ساتھ صورت میں مماثلت رکھتا ہے۔ اب روح قدسی کا طفل معانی پر اطلاق اس بنا پر ہے کہ بچے میں ملاحت ہوتی ہے۔ یہ اطلاق صغر سنی کی وجہ سے نہیں ہے۔ اور اس اطلاق کی دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے شروع میں روح قدسی کی صورت اس سے ملتی ہے۔ بہر حال روح قدسی یا طفل معانی انسان حقیقی ہے۔ کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسیت حاصل ہے۔

جسم اور جسمانی طفل معانی کے محرم نہیں ہیں۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ[1]

"بارگاہ خداوندی میں مجھے ایک ایسا وقت بھی حاصل ہوتا ہے کہ جس میں نہ تو کسی مقرب فرشتے کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ نبی مرسل کی"

نبی مرسل سے مراد نبی کریم ﷺ کی بشریت اور مقرب فرشتے سے مراد حضور ﷺ کی روحانیت جو کہ نور جبروت سے تخلیق ہوئی ہے۔ جیسے فرشتے نور جبروت سے ہیں اسی لیے یہ فرشتے نور لاہوت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

اَنَّ لِلّٰہِ جَنَّۃٌ لَا فِیْھَا حُوْرٌ وَلَا قُصُوْرٌ وَلَا جِنَانٌ وَلَا عَسَلٌ وَلَا لَبَنٌ بَلْ یُنْظَرُ اَلٰی وَجْہِ اللّٰہِ تَعَالٰی

"بیشک اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ایسی جنت بھی ہے جس میں نہ تو حور و قصور ہیں اور نہ باغ و بہار نہ شہد (کی نہریں ہیں) اور نہ دودھ (کے چشمے) وہاں صرف دیدار الٰہی کی دولت ہے"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وُجُوْهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (قیامت :22-23)

"کئی چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کے (انوار جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے"

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ [۱۲]

"عنقریب تم اپنے رب کو اسی طرح (عیاں) دیکھو گے جس طرح چودھویں رات کے اس چاند کو دیکھ رہے ہو"

اگر فرشتہ اور جسمانیت اس عالم میں داخل ہوں تو جل جائیں جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

لَوْكَشَفْتُ سُبُحَاتُ وَجْهِى جَلَالِیْ لَاِحْتَرَقَ كُلُّ مَا مَدَّ بَصَرِیْ [۱۳]

اسی طرح حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا:

لَوْدَنُوْتُ اَنْمُلَةً لَاِحْتَرَقْتُ [۱۴]

"اگر میں انگلی کے پورے کے برابر بھی آگے بڑھوں گا تو جل جاؤں گا"

یہ کتاب کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے حروف کے عدد کے برابر چوبیس فصلوں پر مشتمل ہے۔ رات دن کی بھی چوبیس گھڑیاں ہیں۔ اس مناسبت سے کتاب کی فصلیں بھی چوبیس ہیں۔

حواشی

۱۔ ابوداؤد۔ کتاب العلم۔ باب الحث علی طلب العلم 3641 حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی ایک اور حدیث ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا جو علم کی تلاش میں کسی راہ پر نکل کھڑا ہوا اللہ نے اسے جنت کے راستے پر گامزن کر دیا۔ فرشتے طالب علم کے لیے اپنے نورانی پر بچھا دیتے ہیں۔ عالم کے لیے آسمانوں اور زمین

کی ساری مخلوق استغفار کرتی ہے اور سمندر کے پیٹ میں مچھلیاں بھی اس کیلئے دعائے مغفرت کرتی ہیں۔ عالم کو عابد پر فضیلت ایسے ہی ہے جیسے چودھویں رات میں چاند ستاروں کے درمیان۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ وہ درھم ودینار نہیں چھوڑتے وہ وراثت میں علم چھوڑ کر جاتے ہیں۔ جس نے علم حاصل کیا اس نے بہت کچھ لے لیا۔

۲۔ دیلمی فی الفردوس 4209 براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مناوی فیض الباری جلد چہارم صفحہ 384 پر لکھتے ہیں کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ میراث قریب ترین لوگوں کو منتقل ہوتی ہے دینی نسب کے اعتبار سے سب سے قریبی وہ علماء کرام ہیں جنہوں نے دنیا سے اعراض برتا اور آخرت کی طرف توجہ مبذول رکھی۔ وہ امت میں انبیاء کا بدل ہیں۔ یہ لوگ علم و عمل دو بھلائیوں سے فیض یاب ہوئے اور انہوں نے دو فضیلتیں حاصل کیں یعنی کمال اور تکمیل۔ ''یحب اھل السماء'' ساکنان آسمان یعنی فرشتے وتستغفر لھم الحیتان ان کے لیے مچھلیاں استغفار کرتی ہیں۔ کیونکہ جب انبیاء کرام کی وراثت حاصل کر کے وہ لوگوں کی تعلیم کا فریضہ سر انجام دینے کے لیے مقرر ہوئے۔ تو اس احسان اور تبلیغ کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو استغفار کا بذریعہ الہام حکم دے دیا ۔زمخشری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث فضیلت علم پر دلیل ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ مقام جہاں علم طلب کیا جاتا ہو وہ دوسری جگہ سے نمایاں اور خصوصی برکتوں کی مستحق ہے اور جو لوگ اس نعمت سے مستفیض ہوتے ہیں وہ دوسرے ہم جنسوں سے کہیں زیادہ برتر ہوتے ہیں۔ یہ نعمت تمام نعمتوں سے بڑی اور اھم ہے کیونکہ یہ انبیاء کے فرائض منصبی کی تکمیل کیلئے ہے۔ واللہ اعلم الترغیب والترھیب میں منذری حضرت ابی امامہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ایک عالم اور عابد کو لایا جائے گا۔ عابد سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جایئے اور عالم کو کہا جائے گا کہ ذرا ٹھہر جایئے تاکہ لوگوں کی شفاعت کریں علامہ اصفہانی اور دوسرے محدثین کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ علماء سے محبت اور ان کے طریقے پر چلنا کامیابی کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ علماء کو اجازت دے گا کہ وہ اپنے پسندیدہ لوگوں کی شفاعت کریں۔ واللہ اعلم

۳۔ ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ہمیں نہیں ملی۔ کتانی "تنزیہ الشریفہ" جلد اول صفحہ 37 پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی مفہوم کی ایک دوسری حدیث روایت کرتے ہیں کہ (اللہ نے مجھے اپنے نور سے پیدا فرمایا......)

۴۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب السنہ باب القدر حدیث نمبر 4700 حضرت عبادہ بن الصامت سے روایت کی گئی ہے کہ میں نے حضور علیہ کو یہ فرماتے سنا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور فرمایا لکھ تو قلم نے عرض کی مولیٰ کیا لکھوں۔ تو اللہ نے فرمایا قیام قیامت تک ہر چیز کی تقدیر لکھ دے اِس سے پہلی حدیث کی تخریج بھی دیکھیے۔

۵۔ بعض حفاظ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ کسی مرفوع حدیث سے روایت نہیں کیے گئے۔ لیکن کتاب و سنت سے ثابت ہے کہ مؤمنین بعض بعض سے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ حضور علیہ نے اشعری قبیلہ کے لوگوں کو فرمایا کہ "وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں" حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا "تم مجھ سے ہو اور میں تم سے" حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا "یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں" دیلمی سے بلا اسناد روایت ہے جسے وہ عبداللہ بن جداد سے معرعا روایت کرتے ہیں "میں اللہ عزوجل سے ہوں اور مومن مجھ سے ہیں پس جس نے کسی مؤمن کو اذیت دی اس نے مجھ کو اذیت دی (المقاصد الحسنہ :171 الاسرار المرطوعہ 119 تنزیہ الشریعہ ج 02/2 ؛ اسنی المطالب، :94)

۶۔ حضرت امام ترمذی اپنی کتاب "الجامع الصحیح" میں کتاب تفسیر القرآن باب و من سورۃ الاعراف 3075 پر حضرت مسلم بن یسار جھنی کے حوالے سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اس آیت۔ واذا خذ ربک من بنی آدم...... (الاعراف 172) کے بارے پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور علیہ سے یہ سوال کیا جاتا تھا تو ایک دفعہ میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ پھر ان کی دائیں جانب پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو اولاد ظاہر ہوئی۔ اللہ نے فرمایا میں نے انہیں جنت کے لیے پیدا کیا۔ یہ جنتیوں والے عمل کریں گے۔ پھر پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو آدم علیہ السلام کی اولاد نکال لی۔ اور فرمایا کہ انہیں میں نے جہنم کے لیے پیدا کیا۔ یہ جہنمیوں والے کام کریں گے۔ ایک آدمی نے سوال

کیا۔یار سول اللہ پھر عمل کاہے کو ؟آپ ﷺ نے فرمایااللہ تعالیٰ نے جس شخص کو جنت کے لیے پیدا فرمایااس سے اہل جنت والے کام کرواتا ہے یہاں تک کہ وہ فوت ہو جاتا ہے اور جنت میں چلاجاتاہے اور جس آدمی کواللہ تعالیٰ نے جہنم کے لیے پیدا کیااس سے جہنمیوں والے کام کرواتاہے حتیٰ کہ اس کی موت اہل جہنم کے برے کاموں پہ آتی ہے پس اللہ تعالیٰ اسے جہنم رسید کر دیتاہے۔

۷۔ یہ حدیث ہمیں نہیں مل سکی

۸۔ حاشیہ (ظ) میں آیاہے کہ شیخ محمود آفندی اسکداری فرماتے ہیں اگر حق تعالیٰ (بفرض محال) کی ذات نہ ہوتی تو مخلوق نہ ہوتی اور اگر مخلوق نہ ہوتی تو حق تعالیٰ ظاہر نہ ہوتا۔ یہ قول شیخ اکبر کاہے۔

۹۔ ملاعلی قاری ''الاسرار المرفوعہ'' میں فرماتے ہیں کہ حدیث کا معنی صحیح ہے۔ یہ حدیث مستفاد ہے وما خلقت الجن والا نس الا لیعبدون کی آیت سے یعنی تاکہ وہ مجھے پہچانیں جیساحضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر میں ہے۔اس حدیث کی دوسری شاہد حدیث بھی ہے۔ علامہ آلوسی روح المعانی ج 26/27 میں فرماتے ہیں کہ دیلمی اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ مؤمن کا خزانہ اس کا رب ہے یعنی انسان کودارین میں جواہر نفیس ملتاہے اسی ذات سے ملتاہے۔

۱۰۔ اس حدیث کودارمی نے اپنی سنن میں باب التوبیخ لمن یطلب العلم لغیر اللہ ج 102/1 پر نقل کیا ہے۔ اسے تبریزی نے بھی نقل کیا ہے دیکھیے ۔''مشکوۃ المصابیح'' کتاب العلم 270 حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔

۱۱۔ المقاصد میں نمبر 926 میں سخاوی نے کہاہے کہ یہ حدیث رسالہ قشیری میں ص 70 پر موجود ہے۔ اور اس کے الفاظ بالکل اس سے ملتے ہیں۔اور ہو سکتاہے کہ یہ حدیث امام ترمذی کی کتاب شمائل میں (330) ہو۔ اور ابن راھویہ کی مسند میں بھی یہ حدیث حضرت علی سے مروی ہے اور کافی طویل ہے ہو سکتاہے مذکورہ حدیث اسی کا حصہ ہو حدیث یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب کاشانہ اقدس میں تشریف لاتے تواپنے وقت کو تقسیم کرتے وقت کاایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ۔کے لیے ایک حصہ گھر والوں کے

لیے اور ایک حصہ اپنے لیے۔ پھر جو حصہ اپنے لیے ہوتا اس اپنی ذات اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرماتے......"

ملا علی قاری "الاسرار المرفوعہ" 396 میں فرماتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی مقرب فرشتے سے مراد جبریل ہیں۔ نبی مرسل سے مراد اپنی ذات ہے۔ عجلونی "الکشف" میں ج 227/2 پر فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی نبی مرسل سے مراد حضرت خلیل علیہ السلام ہیں۔ اس حدیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے اس سے مراد مقام استغراق باللقاء ہے جسے سکر، محو اور فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۱۲۔ صحیح البخاری۔ کتاب مواقیت الصلوٰۃ۔ باب فضل صلاۃ العصر نمبر حدیث 529 حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم بارگاہ نبوی میں حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے چودھویں رات کے اس چاند کو دیکھا پھر فرمایا۔ تم اسی طرح اپنے رب کو دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ تمہیں اس دیدار میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑی (اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے)(ق :39)

ابن قیمؒ "الوابل الصیب" 103 پر فرماتے ہیں۔ رب قدوس قیامت کے روز روبرو نظر آئے تو دیکھے گا بھی تو نظریں اس کا ادراک نہیں کر سکیں گی۔ ادراک رؤیت سے آگے کا معاملہ ہے۔ بلا مثال کہ وہ مثال سے بلند ہے۔ اس سورج کو ہم دیکھتے ہیں اور اس کا ادراک رکھتے ہیں لیکن اس کے قریب نہیں جا سکتے۔ اسی لیے حضرت ابن عباسؓ سے جب کسی شخص نے رؤیت باری تعالیٰ کے بارے پوچھا تو انہوں نے جواب میں آیت لاتدرکة الابصار (الانعام :103) پڑھی اور فرمایا کیا تو آسمان دیکھ نہیں رہا؟ اس نے کہا ہاں دیکھ رہا ہوں تو آپ نے فرمایا کیا تو اس کا ادراک کر سکتا ہے؟ وہ کہنے لگا نہیں تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تو سب کائنات سے عظیم اور جلیل ہے۔

۱۳۔ مسلم اپنی صحیح کتاب الایمان باب "ان اللہ لا ینام" 293 میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمارے درمیان کھڑے تھے۔ آپ نے پانچ باتیں بیان فرمائیں۔ فرمایا اللہ عزوجل نہیں

سوتا۔ اور چاہیے بھی یہی کہ وہ نہ سوئے۔ وہ عدل کو نیچے کرتا ہے اور اسے بلند کرتا ہے۔ دن کے عمل سے پہلے رات کا عمل اس کے طرف بلند ہوتا ہے اور دن کا عمل رات کے عمل سے پہلے۔ اس کا حجاب نور ہے اور ایک روایت میں نور جگہ نار (آگ) کے الفاظ آتے ہیں۔ اگر یہ پردہ ہٹادے تو انتہائے نگاہ تک جو مخلوق ہو اس کے نور کی تجلی سے جل جائے" امام نووی شرح صحیح مسلم ج14/3 میں فرماتے ہیں سبحات وجھہ کا معنی اللہ تعالیٰ کا نور، جلال اور روشنی ہے۔ حجاب سے مراد لغت میں روکنا اور چھپانا ہے۔ دراصل حجاب اجسام محدودہ کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جسم اور حد سے پاک ہے۔ یہاں اللہ کی رؤیت سے مانع چیز ہے۔ اس مانع کو کو نور یا نار اس لیے کہا جاتا ہے عادۃ اس کو انسان سمجھ نہیں سکتا۔ چہرے سے مراد ذات ہے ما انتھی الیه بصرہ من خلقه سے مراد تمام مخلوق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نظر تمام مخلوق کو محیط ہے۔ لفظ من بیان جنس کیلیے ہے نہ کر تبعیض کے لیے مقصد یہ ہوگا کہ اگر یہ مانع ذائل ہو جائے یعنی وہ حجاب ہٹ جائے جسے نور یا نار کہا گیا ہے اور ذات حق تجلی فرمائے تو ساری مخلوق جل کر خاکستر ہو جائے۔ واللہ اعلم

۱۴۔ الاسراء الی مقام الاسری (کتاب المعراج) ابن عربی 239

پہلی فصل

انسان کی وطن اصلی کی طرف واپسی :۔

انسان کی دو قسمیں ہیں۔ جسمانی اور روحانی۔

جسمانی انسان عام ہے اور روحانی خاص۔ روحانی انسان تو احرام باندھے اپنے اصلی وطن کی طرف یعنی قربت خداوندی کے حصول کی راہ پر گامزن ہے۔

جسمانی انسان کی واپسی کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ درجات کی طرف رجوع کرے۔ شریعت و طریقت اور معرفت پر بلا نمود و ریاء عمل پیرا ہو کر ثواب حاصل کرے کیونکہ درجات (ثواب) کے تین طبقے ہیں۔

پہلا طبقہ :۔

عالم الملک میں جنت اور یہ جنت الماویٰ ہے۔

دوسرا طبقہ :۔

عالم الملکوت کی جنت اسے جنت النعیم کہتے ہیں۔

تیسرا طبقہ :۔

عالم الجبروت کی جنت یہ جنت الفردوس ہے۔

یہ نعمتیں جسمانیت کے لیے ہیں۔ ان عوالم تک جسمانیت اس وقت تک نہیں پہنچ سکتی جب تک کہ تین علوم کو حاصل نہ کر لے۔ یعنی علم شریعت، علم طریقت اور علم معرفت۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلْحِكْمَةُ الْجَامِعَةُ مَعرِفَةُ الْحَقِّ والْعَمَلُ بِهَا مَعْرِفَةُ الْبَاطِنِ [۱]

"کامل دانائی حق تعالیٰ کی معرفت ہے۔ اور اس کے مطابق عمل پیرا ہونا باطن کی معرفت ہے"

اسی طرح حضور ﷺ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے :

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَاالْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اِجْتِنَابَهٗ [۲]

"اے اللہ! ہمارے سامنے حق کو واضح فرما اور اس کی پیروی کی توفیق دے اور باطل کو باطل کر کے دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق بخش دے"

اسی طرح رسول کریم ﷺ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ وَخَالَفَهَا فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ وَتَابَعَهٗ [۳]

"جس نے اپنے نفس کو پہچانا اور اس کی مخالفت کی تو اس نے یقیناً اپنے رب کو پہچان لیا اور اس کی فرمانبرداری کی"

انسان خاص کا اپنے وطن یعنی قربت کی طرف رجوع اور رسائی علم حقیقت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ علم حقیقت عالم لاہوت میں توحید ہے۔ دنیا میں اللہ کی یکتائی کا عقیدہ ہے۔ اور یہ مقام سوتے جاگتے عبادت سے حاصل ہوتا ہے۔ بلکہ جسم پر جب نیند طاری ہو جاتی ہے تو دل کو زیادہ فرصت ملتی ہے اور وہ اپنے وطن اصلی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ رجوع یا تو کلی طور پر ہوتا ہے یا جزوی طور پر۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَاوَالَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِىْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِىْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى (الزمر :42)

"اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی

موت کا وقت ابھی نہیں آیا (ان کی روحیں) حالت نیند میں۔
پھر روک لیتا ہے ان روحوں کو جن کی موت کا فیصلہ کرتا ہے
اور واپس بھیج دیتا ہے دوسری روحوں کو مقررہ میعاد تک۔بے
شک اس میں (اس کی قدرت کی) نشانیاں ہیں ان کے لیے جو
غور وفکر کرتے ہیں"

اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا:

نَوۡمُ الۡعَالِمِ خَیۡرٌ مِّنۡ عِبَادَۃِ الۡجَاھِلِ

"عالم کا سونا جاہل کے عبادت کرنے سے بہتر ہے"[۴]

مگر عالم کو یہ شرف صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ عالم کا دل نور توحید سے زندہ ہو چکا ہو اور اسمائے توحید باطن کی زبان پر بغیر حرف وصوت جاری ہو چکے ہوں۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے۔

الانسان سرِّیۡ وانا سره

"انسان میرا راز اور میں اس کا راز ہوں"[۵]

دوسری حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

اِنَّ عِلۡمَ الۡبَاطِنِ ھُوَ سِرٌّ مِنۡ سِرِّیۡ ، اَجۡعَلَہٗ فِیۡ قَلۡبِ عَبۡدِیۡ وَلَا یَقِفُ عَلَیۡہِ اَحَدٌ غَیۡرِیۡ[۶]

"بیشک علم باطنی میرے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ میں نے اس راز کو اپنے بندے کے دل میں رکھ چھوڑا ہے۔ اس پر میرے سوا کوئی واقف نہیں ہو سکتا"

انسان کے وجود کا اصل مقصد ہے ہی علم تفکر۔ جیسا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

تَفَکُّرُ سَاعَۃٍ خَیۡرٌ مِّنۡ عِبَادَۃِ سَبۡعِیۡنَ سَنَۃً[۷]

"ایک پل کا غور وفکر ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے"

تفکر علم الفرقان ہے[۸] جسے توحید کہتے ہیں۔ اسی کی بدولت عارف

اپنے مقصود و محبوب تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ عارف اسی علم کے نتیجے میں روحانیت کی پرواز کر کے عالم قربت تک پہنچتا ہے۔ پس عارف قربت [۹] کی طرف محو پرواز ہے جبکہ عابد جنت کی طرف پا پیادہ گامزن ہے۔

عارفین کے متعلق کسی نے کیا سچ کہا ہے۔

قُلُوْبُ الْعَارِفِیْنَ لَهَاعُیُوْنٌ
تَرٰی مَالَا یَرَاهُ النَّاظِرُوْنَ
وَاَجْنِحَةٌ تَطِیْرُ بِغَیْرِ رِیْشٍ
اِلٰی مَلَکُوْتِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

عرفاء کے دلوں کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ یہ آنکھیں وہ سب کچھ دیکھ لیتی ہیں جو ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ ان (اھل اللہ) کے پر ہیں لیکن یہ پرندوں کے سے پر نہیں ہیں۔ وہ ان پروں کے ساتھ پروردگار عالم کی بادشاہی کی طرف محو پرواز رہتے ہیں۔

یہ پرواز عرفاء کے باطن میں جاری و ساری ہے۔ عارف انسان حقیقی ہے۔

وہ اللہ عزوجل کا محبوب، محرم راز اور اس کی دلہن [۱۰] ہے جیسا کہ ابویزید (بایزید) بسطامی [۱۱] رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی دلہنیں ہیں۔ دلہنوں کو محرموں کے سواء کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کے حضور حجاب انس میں مستور ہوتے ہیں۔ نہ انہیں کوئی دنیا میں دیکھ پاتا ہے اور نہ ہی آخرت میں [۱۲]۔ ہاں صرف ایک آنکھ ان کے حق کا مشاہدہ کرتی ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی آنکھ"

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا:

اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ لَا یَعْرِفُهُمْ غَیْرِیْ

"میرے اولیاء میری قبا کے نیچے ہیں۔ انہیں میرے سواء کوئی نہیں پہچانتا"

لوگ دلہن کی صرف ظاہری سج دھج کو دیکھ سکتے ہیں۔

یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں [۱۳]

"ولی اللہ زمین میں اللہ تعالیٰ کی خوشبو ہے جسے صرف صدیق سونگھ سکتے ہیں۔ یہ خوشبو صدیقوں کے دلوں تک پہنچتی ہے۔ اسی لیے وہ اپنے مولا کی طرف مشتاق رہتے ہیں۔ تفاوت اخلاق کے مطابق ان کی عبادت بڑھتی جاتی ہے اور جوں جوں یہ لوگ عبادت میں بڑھتے ہیں اسی قدر فنا میں بڑھتے جاتے ہیں۔ کیونکہ فانی جس قدر باقی کا قرب حاصل کرتا ہے اسی قدر فناء ہوتا جاتا ہے" [۱۴]

ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فناء ہو اور مشاہدۂ حق میں باقی ہو۔ اسے اپنی ذات پر کوئی اختیار نہ ہو۔ اور نہ ہی اسے غیر خدا کے ساتھ سکون نصیب ہو۔

ولی وہ ہے جس کی تائید کرامات سے ہو۔ لیکن یہ مقام اس کی نگاہوں میں فروتر ہو۔ وہ خود افشاء کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ ربوبیت کے راز کو افشاء کرنا کفر ہے۔ جیسا کہ صاحب المرصاد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اصحاب کرامات تمام کے تمام پس پردہ ہیں۔ کرامت مردان خدا کے لیے بمنزلہ حیض کے ہے ولی کے لیے ہزار مقامات ہیں۔ پہلا مقام کرامت ہے۔ جو اس سے گزر گیا تمام مقامات کو پانے میں کامیاب ہو گیا۔

حواشی

۱۔ قاشانی نے اسے اصطلاحات 63 میں بیان گیا ہے لیکن یہ اشارہ نہیں دیا کہ یہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

۲۔ ابن کثیر نے اسے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ دیکھیے جلد اول ص 444 ان کا کہنا ہے کہ یہ الفاظ دعائے ماثورہ میں آئے ہیں۔ انہوں نے ان الفاظ کو زائد کیا ہے۔ اور نہ بنا اسے ہمارے لیے مشتبہ کہ ہم گمراہ ہو جائیں اور ہمیں بنادے مسلمانوں کے لیے امام"

۳۔ حاشیہ (ظ) میں آیا ہے کہ شیخ محمود آفندی اسکداری نے فرمایا۔ حق کو پہچاننے کا طریقہ

نفس کو پہچاننا ہے۔ جس نے نفس کی معرفت حاصل کرلی اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔
لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی ولی کامل کا ہاتھ تھامے جو اسے عرفان کی راہ
سجائے۔ وہ ایسا مرشد کامل ہو کہ احکام ظاہری کا علم رکھتا ہو اور مراتب غیوب کو بھی
جانتا ہو۔ وہ امکان وجوب کی دونوں دائروں کا جامع ہو طالبین کو مطلوب تک پہچا سکتا ہو
اور مشتاقین کو واصل محبوب کرنے کی ہمت رکھتا ہو۔ نیک سیرت، راضی بر ضا انبیاء و
اولیاء کا کامل متبع ہو۔ ہر کہ وعہہ کا یہ کام نہیں کہ مسند ارشاد پر بیٹھ کر لوگوں کی رہنمائی
کرے علامہ سخاوی "المقاصد" 1149 پر لکھتے ہیں کہ ابو المظفر السمعانی فرماتے ہیں کہ
اس حدیث کے مرفوع ہونے کو ہم نہیں جانتے۔ یہ حکایت یحیٰی بن معاذ رازی سے
روایت کی گئی ہے۔ حوت انسی المکالب" میں ص 1436 پر فرماتے ہیں کہ علامہ نوری
نے فرمایا یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ بعض لوگ اس کی نسبت ابی سعید خزار کی طرف
کرتے ہیں۔ امام سیوطی "الحاوی" جلد دوم ص 238 یہ فرماتے ہیں۔ جس نے اپنے
نفس کو پہچانا اس بات پر دال ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرلی ہے۔
معرفت خداوندی معرفت نفس سے پہلے حاصل ہوتی ہے۔ پہلا حال سالکین کا ہے اور
دوسرا مجذوبوں کا۔ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ (قوت القلوب) میں فرماتے ہیں کہ اس کا
معنی ہے کہ جب تو اپنے نفس کو حق کے معاملہ میں پہچان لے گا تو تو اس بات کو ناپسند
کرے گا کہ تو اپنے افعال میں اپنے آپ پر اعتراض کرے اور جو تو کرتا ہے اس پر عیب
لگانے کو۔ کیونکہ تو اس میں اپنے خالق کی صفات کو پہچان لے گا اور تو اس کو ناپسند کرنا
شروع کردے گا۔ پس تو اس کے فیصلوں پر راضی رہے اور ایسے کام کر کہ جو تو پسند
کرے کہ تیرے ساتھ معاملہ کیا جائے۔ امام نووی اپنے فتاویٰ میں ص 286 پر فرماتے
ہیں جو شخص اس حقیقت کو سمجھ گیا کہ میرا نفس اللہ کا محتاج ہے اور اسے عبودیت
خداوندی کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو وہ اللہ کی قوت قہر، ربوبیت، کمال مطلق اور دوسری
صفات علیا کو بھی سمجھ گیا ہے۔ اور جو اللہ کی معرفت حاصل کرلیتا ہے تو وہ کہہ اٹھتا ہے
کہ مولا میں تیری نعمتوں کا کماحقہ شکر ادا کرنے سے عاجز ہوں اور تیری اس طرح ثناء
نہیں کر سکتا جس طرح حمد و ستائش کا حق ہے۔ مسلم کتاب الصلوۃ باب مایقال فی الرکوع

والسجود صفحہ نمبر 222 کی حدیث سے ثابت ہے جسے حضرت عائشہ نے روایت کیا ہے فرماتی ہیں میری باری تھی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بستر سے غائب پایا۔ میں نے ٹٹولنا شروع کیا تو میرے ہاتھ آپ ﷺ کے قدموں سے چھو گئے آپ مسجد میں تھے۔ اور کھڑے یہ دعا کر رہتے تھے۔ اے اللہ میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ چاہتا ہوں تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ چاہتا ہوں۔ میں تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ میں اس طرح تیری تعریف نہیں کر سکتا جس طرح تو اپنی ثناء فرماتا ہے۔

۴۔ تلاش کے باوجود ہمیں یہ حدیث نہیں ملی۔

۵۔ ہمیں یہ حدیث بھی نہیں مل سکی۔

۶۔ ان الفاظ کے ساتھ تو حدیث نہیں مل سکی البتہ دیلمی کی ایک حدیث اس کی صحت پر دال ہے جسے انہوں نے الفردوس (4104) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ باطن کا علم اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ اور یہ اللہ کی حکمتوں میں سے ایک حکمت ہے جسے اللہ اپنے اولیاء میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے ودیعت فرمادیتا ہے۔

۷۔ غزالی نے احیاء جلد چہارم ص 423 پر سبعین کے لفظ کے بغیر اسے روایت کیا ہے۔ عراقی ''مغنی'' میں جلد چہارم ص 423 پر فرماتے ہیں کہ اسے ابن حبان نے ''العظمۃ'' میں حضرت ابو ھریرہ سے روایت کیا ہے۔ لیکن وہاں ستین سنۃ کے الفاظ ہیں۔ دیلمی الفردوس'' ص 70 پر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رات اور دن میں ایک لمحے کا غور و فکر اسی سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

۸۔ (ظ) میں کسی کا نام نہیں لیا گیا لیکن باقی نسخوں میں یہ بات شیخ عبداللہ رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان کی گئی

۹۔ نسخہ (ظ) میں کسی کا نام نہیں۔ لیکن باقی نسخوہ میں جلدل الدین رومی رحمہ اللہ کا حوالہ ملتا ہے۔

۱۰۔ جامع البیان جلد 15 ص 120-121 پر ابن جریر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کردہ ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بندوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو انبیاء تو نہیں لیکن ان پر انبیاء و شہداء بھی رشک کرتے ہیں۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ تاکہ ہم ان سے محبت کریں۔

آپ ﷺ نے فرمایا" وہ لوگ آپس میں مال اور نسبت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اللہ عزو جل کیلئے محبت کرتے ہیں (قیامت کے روز) وہ نور کے منبروں پر جلوہ گر ہوں گے اور ان کے چہروں پر نورانیت چھائی ہو گی۔ جب لوگ خوف زدہ ہوں گے تو انہیں کسی قسم کا کوئی خوف نہیں ہو گا۔ اور جب لوگ حزن کی کیفیت میں ہوں گے تو یہ لوگ بے غم ہوں گے۔ پھر حضرت ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی الاان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولاھم یحزنون۔ (یونس :62) اسے منذری نے بھی "الترغیب والترھیب" جلد 4 صفحہ 20 پر ذکر کیا ہے۔

۱۱۔ زرکلی "اعلام" ج 3 ص 235 پر رقم طراز ہیں کہ آپ کا نام طیفور بن عیسی بسطامی ہے۔ ابو یزید کنیت ہے جسے عجم میں بایزید کہا جاتا ہے۔ ایک مشہور زاہد ہیں۔ آپ کے متعلق بہت سے قصے مشہور ہیں۔ بسطام خراسان اور عراق کے درمیان ایک قصبہ ہے۔ آپ اسی مناسبت سے بسطامی کہلاتے ہیں۔ یہی آپ کی جائے ولادت اور جائے وفات ہے۔ بعض مستشرقین کی رائے ہے کہ آپ پہلے وحدۃ الوجودی ہیں۔ اور ہو سکتا ہے مذہب فنا (Niravana) آپ ہی سے لیا گیا آپ کے سلسلہ سے منسلک لوگ طیفوریہ یا بسطامیہ کہلاتے ہیں۔ ابن الملقن "طبقات" ص 398 پر لکھتے ہیں کہ آپ کے جد امجد پہلے مجوسی تھے بعد میں مسلمان ہوئے علامہ ذہبی "السیر" جلد 13 ص 86 پر لکھتے ہیں۔ آپ علیہ الرحمۃ سلطان العارفین ہیں۔ آپ کی وفات 261ھ میں ہوئی۔

۱۲۔ الرسالہ القشیریہ۔ امام قشیری ص 202

۱۳ "الاعلام" جلد 8 ص 172 زرکلی فرماتے ہیں کہ آپ کی کنیت ابوزکریاء ہے۔ آپ بہت بڑے واعظ اور زاہد تھے۔ آپ اپنے وقت میں اپنی مثال آپ تھے۔ اہل رائے میں ان جیسا کوئی نہیں تھا۔ آپ بلخ میں اقامت گزیں ہوئے اور نیشاپور میں رحلت فرمائی۔ ابن جوزی "المنتظم" جلد 5 ص 16-17 پر فرماتے ہیں آپ کی وفا 258ھ میں ہوئی۔

۱۴۔ رسالہ قشیریہ۔ امام قشیری ص 203

دوسری فصل

انسان کا پست ترین حالت (اسفل السافلین) کی طرف لوٹنا :۔

جب اللہ تعالیٰ نے عالم لاہوت میں روح قدسی کو بہترین اعتدال پر پیدا فرمایا تو چاہا کہ اسے پست ترین حالت کی طرف لوٹائے۔ تاکہ وہ انسیت اور قربت میں ترقی کرے۔ جیسا کہ ارشاد رب العالمین ہے۔

فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ (القمر :55)

"بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے"

پہلے انسان عالم لاہوت سے عالم جبروت میں آیا۔ اس کے پاس توحید کا بیج تھا۔ اس نے یہاں اپنی نورانیت کا بیج بویا اور روح قدسی کو جبروتی لباس پہنایا گیا۔ اس کے بعد اسے یکے بعد دیگرے عالم ملکوت، عالم الملک کی طرف بھیجا گیا۔ اسے لباس عنصری دیا گیا تاکہ وہ اس عالم کو جلا نہ دے۔ لباس عنصری سے مراد جسد کثیف ہے۔ جبروتی لباس کی وجہ سے اسے روح سلطانی، ملکوتی لباس کی وجہ سے اسے روح سیرانی روانی اور ملکی لباس کی وجہ سے اسے روح جسمانی کہتے ہیں۔

الاسفل کی طرف روح قدسی کے رجوع سے مقصود جسم اور دل کے واسطہ سے زیادہ درجہ اور قربت کا حصول ہے۔ یہ روح ارض قلب میں توحید کا بیج بوتی ہے۔ اس سے توحید کا درخت اگتا ہے جس کا تنا باطن کی گہرائی میں پیوست ہوتا ہے اور اس درخت پر رضاء خداوندی کے لیے ثمرۂ توحید لگتا ہے۔ اسی طرح

شریعت کا بیج جسم کی زمین بوتی ہے جس سے شریعت کا درخت اگتا ہے اور اس سے ثواب کا پھل حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو حکم دیا کہ ان اجساد میں داخل ہو جاؤ اور ہر ایک روح کیلئے جسم میں ایک خاص جگہ متعین فرمادی۔

روح جسمانی کا مقام خون اور گوشت کی درمیانی جگہ قرار پائی روح روانی کو قلب میں رکھا گیا۔ روح سلطانی کو جان میں جبکہ روح قدسی کا مقام باطن ٹھہرایا گیا۔

ہر ایک روح کی مملکت جسم کے اندر دکان ہے۔ ہر ایک سامان تجارت رکھے نفع کمارہا ہے۔ یہ کاروبار ہر قسم کے نقصان کے خدشے سے پاک ہے۔

ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے وجود کے اندر جاری معاملات کو سمجھے کیونکہ یہاں جو کچھ وہ حاصل کرے گا اس کی گردن کا نوشتہ ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ (العادیات :9-10)

”کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب نکال لیا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے اور ظاہر کر دیا جائے گا جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے“

اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا:

وَکُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ (الاسراء :13)

”اور ہر انسان کی (قسمت کا) نوشتہ اس کے گلے میں ہم نے لٹکا رکھا ہے“

تیسری فصل

اجساد میں روحوں کی دکانیں :۔

ا۔ روح جسمانی کی دکان پورا جسم ظاہری جوارح کے ساتھ ہے۔ اس کا سامان تجارت شریعت ہے۔ اور اس کا کاروبار شرک سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض کی ادائیگی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَداً (الکھف :110)

''اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو''

حضور ﷺ نے فرمایا :

اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا الطَّيِّبَ

''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک ہی کو قبول فرماتا ہے''

اسی طرح حضور ﷺ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ

''اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وتر کو پسند فرماتا ہے''

لفظ وتر سے مراد نمود و نمائش سے بلند تر ہونا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ بناوٹ سے پاک ہے اور اعمال میں اخلاص کو پسند فرماتا ہے)

1۔ روح جسمانی کا نفع ولایت، مکاشفہ اور تحت الثریٰ سے آسمان بالا تک پوری کائنات کا مشاہدہ ہے۔ اس کی مثال کرامات کونیہ ہیں جو مراتب رھبانیت سے ہے۔ مثلاً پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا۔ طے مکانی، دور سے سننا اور باطن میں جھانکنا

اور اس قسم کی دوسری کرامات۔ آخرت میں اس کا نفع جنت، حور، و قصور، غلمان، شراب طہور۔ تمام نعمتیں، جنت الاولی میں گھر جو جنت الماوٰی ہے۔

2۔ روح روانی کی دکان قلب ہے۔ اس کی متاع علم طریقت اور اس کا کاروبار اللہ تعالیٰ کے بارہ، اصولی اسماء میں سے پہلے چار اسماء میں مشغول ہونا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا(الاعراف :180)

"اور اللہ ہی کے لیے ہیں نام اچھے اچھے۔ سو پکارو اسے انہیں ناموں سے"

اور یہ آیت اشارہ کر رہی ہے کہ اسماء مشغول ہونے کا محل ہیں۔ اور یہی علم باطن ہے۔ معرفت اسمائے توحید کا نتیجہ ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةٌ وَتِسْعِيْنَ اِسْمًا مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ"[۲]

"بیشک اللہ تعالیٰ کے ننانویں نام ہیں جس نے ان کا ورد کیا وہ جنت میں داخل ہوا"

حدیث میں لفظ احصاء سے مراد ان اسماء سے متصف ہونا ہے۔ اور ان اخلاق خداوندی کو اپنی ذات میں جاری کرنا ہے۔ یہ بارہ اسماء اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء کی بنیاد اور اصول ہیں۔ جن کے عدد کلمہ "لا الہ الا اللہ" کے حروف کے برابر ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے قلوب کی گہرائیوں میں ہر ایک حرف کے لیے ایک اسم کو ثبت فرمادیا ہے۔ ہر ایک عالم کے لیے تین اسماء ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اسماء کے ذریعے محسنین کے دلوں کو اثبات بخشتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ(الابراہیم :27)

"ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس پختہ قول (کی

برکت سے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی"

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر انسیت کی خاص کیفیت نازل فرماتا ہے جسے سکینہ کہا جاتا ہے۔ اس میں شجر توحید پروان چڑھتا ہے جس کی جڑ ساتویں زمین میں بلکہ تحت الثریٰ میں ہے اور ٹہنیاں ساتویں آسمان تک بلند ہیں۔ بلکہ عرش کے اوپر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَافِي السَّمَاءِ

(ابراہیم :24)

"پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑیں بڑی مضبوط ہیں اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں"

روح روانی کو اس کاروبار سے جو نفع ہوتا ہے وہ دل کی زندگی ہے۔ عالم الملکوت کو وہ اپنی دل کی آنکھ سے عیاں دیکھتا ہے۔ جنت کے باغ اسے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اہل جنت، جنت کے انوار اور فرشتے اس کے روبرو ہوتے ہیں۔ اور جب وہ اسمائے باطن کا مشاہدہ کرتا ہے تو اپنی زبان سے باطنی گفتگو کرتا ہے جو بلا حرف و صوت ہوتی ہے۔ اس کاروبار کی وجہ سے اس کا ٹھکانا دوسری جنت یعنی جنت النعیم قرار پاتا ہے۔

3۔ روح سلطانی کی دکان جان ہے۔ اس کا سامان تجارت معرفت اور کاروبار بارہ اسماء میں سے درمیانی چار اسماء کا دل کی زبان سے ورد ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اَلعِلْمُ عِلْمَانِ ۔ عِلْمٌ بِاللِّسَانِ وَذَالِكَ حُجَّةُ اللّٰهِ تَعالىٰ عَلٰى ابنِ آدَمَ وَعِلْمٌ بِالْجَنَانِ ۔ فَذَالِكَ العِلْمُ النَّافِعُ"[۳]

علم کی دو قسمیں ہیں (1) علم لسانی (2) علم جنانی

علم لسانی اللہ تعالیٰ کی ابن آدم پر حجت ہے اور علم جنانی ہی علم نافع ہے"

کیونکہ علم کے تمام فائدے اسی دائرہ میں ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ لِلْقُرْاٰنِ ظَهْراً وَبَطْنًا وَلِبَطنِهٖ بَطْنًا اِلٰى سَبْعَةِ اَبْطُنٍ[۴]

"قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ اور ہر باطن کا پھر ایک باطن ہے (یہ سلسلہ) سات باطنوں تک (دراز) ہے"

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اَنزَلَ الْقُرْآنَ عَلٰی عَشَرَةِ اَبْطُنٍ ۞ فَكُلُّ مَاهُوَ اَبْطَنُ فَهُوَ اَنْفَعُ وَاَرْبَحُ لِاَنَّهٗ مِفَنٌّ [6]

"بیشک اللہ تعالیٰ نے قرآن کو دس بطنوں پر نازل فرمایا۔ پس ہر باطن پہلے باطن سے زیادہ نفع بخش اور مفید ہے۔ کیونکہ اس میں پہلے کی نسبت زیادہ عجائب ہیں"

یہ اسماء ان بارہ چشموں کی مانند ہیں جو عصائے موسیٰ کی ضرب سے پھوٹے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے۔

وَاِذِاسْتَسْقٰی مُوسٰی لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اِثْنَتَا عَشَرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ (البقرہ:60)

"اور یاد کرو جب پانی کی دعا مانگی موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے تو ہم نے فرمایا مارو اپنا عصا فلاں چٹان پر تو فوراً بہہ نکلے اس چٹان سے بارہ چشمے۔ پہچان لیا ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ"

علم ظاہری اس پاک پانی کی مانند ہے جو عارضی ہو جبکہ علم باطن چشمے کے اصلی پانی جیسا ہے (جو کبھی ختم نہیں ہوتا) علم باطنی، علم ظاہری کی نسبت زیادہ نفع بخش ہے۔ اور علم کا یہ چشمہ ابدی ہے کبھی خشک نہیں ہوتا۔ [7]

ارشاد ربانی ہے:

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ (یس:33)

"اور ایک نشانی ان کے لیے یہ مردہ زمین ہے۔ ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غلہ پس وہ اس سے کھاتے ہیں"

اللہ تعالیٰ نے روئے زمین سے ایک دانا نکالا جو حیوانات نفسانیہ کی خوراک ہے، زمین النفس سے ایک دانا پیدا کیا جو ارواح روحانیہ کی خوراک ٹھہرا جیساکہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰہِ تَعَالٰی اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ یَنَابِیْعُ الْحِکْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰی لِسَانِهٖ[۸]

"جس نے چالیس صبحیں اللہ کے خلوص میں کیں تو اللہ نے اس کے دل سے حکمت کے چشمے اس کی زبان پر جاری کردیے"

رہا روح سلطانی کا نفع تو انسان اس سے جمال خداوندی کا عکس دیکھتا ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَاکَذَبَ الْفُوَادُ مَارَأٰی (النجم :11)

"نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ) نے"

اسی طرح حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

اَلْمُوْمِنُ مِرْاٰةُ الْمُوْمِنِ[۹]

"ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے"

پہلے مؤمن سے مراد، بندہ کا دل ہے اور دوسرے سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔ جیساکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام مؤمن آیا ہے

اَلْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ (الحشر :23)

"امان بخشنے والا، نگہبان، عزت والا، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا، متکبر"

صاحب المرصاد فرماتے ہیں کہ اس طائفہ کا مسکن تیسری جنت یعنی جنت الفردوس ہے۔

4۔ روح قدسی کی دکان باطن ہے۔ جیساکہ حدیث قدسی ہے۔

اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّهٗ[۱۰]

"انسان میرا راز اور میں اس کا راز ہوں"

روح قدسی کی متاع علم الحقیقت ہے جسے علم التوحید کہتے ہیں۔ اور اس کا معاملہ (کاروبار) اسمائے توحید کا ورد ہے۔ یعنی آخر چار اسماء کا ورد۔ مگر یہ وظیفہ ظاہری زبان سے نہیں باطن کی زبان سے بغیر نطق کے کرنا ہوتا ہے اور اس کے لیے وقت مقرر نہیں دائمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى (طہ :7)

"اور اگر تو بلند آواز سے بات کرے (تو تیری مرضی) وہ تو بلاشبہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور دل کے بھیدوں کو بھی"

اس کاروبار کا فائدہ یہ ہے کہ طفل معانی کا ظہور ہو جاتا ہے۔ اور وہ باطن کی آنکھ سے جلال و جمال خداوندی کو روبرو بغیر کسی پردہ کے دیکھتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (القیامۃ :22-23)

"کئی چہرے اس روز تر و تازہ ہوں گے اور اپنے رب کے (انوار جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے"

یہ دیدار بلا کیف و کیفیت اور بلا تشبیہ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَىْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ :11)

"نہیں ہے اس کی مانند کوئی چیز اور وہی سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے"

جب انسان اپنے مقصود کو پالیتا ہے تو عقلیں سوچنے سے قاصر، دل عالم تحیر میں سرگرداں اور زبانیں گنگ ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ صاحب مقام خود بھی کوئی خبر نہیں دے سکتا وہ کہے بھی تو کیا کہے۔ اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہے۔ اگر علماء تک ایسی چیزیں پہنچیں تو انہیں چاہیے کہ وہ ان مقامات قلوب کو خوب سمجھیں ان کے حقائق کو جاننے کی کوشش کریں۔ اور کسی اعتراض کے بغیر اعلیٰ علیین کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اس طرح انہیں بارگاہ خداوندی سے علم لدنی حاصل ہوگا اور ذات احدیت کی معرفت تک رسائی ہوگی۔ وہ ہرگز ہرگز اس مقام کا انکار نہ کریں اور تعرض کی روش سے بچیں۔

حواشی

۱۔ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ دیکھیے صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب وتربیتھا۔ 1015 حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حدیث کا تتمہ یوں ہے "...... اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو اسی چیز کا حکم دیا جس چیز کا مرسلین علیہم السلام کو حکم دیا۔ ارشاد فرمایا "یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا انی بما تعملون علیما (المؤمنون: 51) پھر حضور ﷺ نے ایک شخص کا تذکرہ فرمایا جو طویل سفر کر کے آتا ہے پراگندہ حال غبار آلود جسم۔ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے اے میرے رب! اے میرے رب! کہتا ہے۔ اس کا کھانا۔ اس کا کھانا، پینا اور لباس حرام کا ہے تو اس کی دعا کیسے قبول ہو گی؟ دیکھیے جامع الاصول۔ از۔ ابن اثیر جلد 10 ص 565-566

۲۔ یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جسے امام ترمذی نے "الجامع الاصول" کتاب الدعوات 3507 میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے اختتام پر اسمائے حسنیٰ ہیں اس کے لیے دیکھیے ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ کی جامع الاصول جلد چہارم صفحہ 173-184

۳۔ اس کی تخریج پہلے ہو چکی ہے۔

۴۔ ہمیں ان الفاظ میں یہ حدیث نہیں ملی۔ طبرانی کی ایک حدیث اس کی شاہد ہے جسے انہوں نے "الکبیر" جلد 10 ص 130 پر رقم کیا ہے۔ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا۔ لیکن تمہارا یہ ساتھی اللہ کا خلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن سات قراءتوں میں اتارا ہے۔ ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ابن حبان اپنی صحیح میں عبداللہ بن مسعود سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ "بیشک قرآن کریم کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ایک انتہاء ہے اور ایک ابتداء"

۵۔ یہ حدیث ہمیں نہیں ملی۔

۶۔ لفظ مفن کا معنی زیادہ تعجب خیز ہے۔ دیکھیے لسان العرب جلد سوم ص 326

۷۔ حاشیہ (ظ) میں آیا ہے کہ شیخ محمود الاسکداری نے فرمایا غیر نافع علم کا اھل حق کے نزدیک

کوئی اعتبار نہیں۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا (سلم۔ صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاو التوبہ و الاستغفار باب التعوذ من شر ما عمل و من شر مالم یعمل 2722) حضرت زید بن رقم سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "اللّٰهُمَّ انی اعوذبك من علم لا ینفع" اے اللہ میں بے فائدہ علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ طالب کو چاہیے کہ علم ظاہری ضرورت کے مطابق حاصل کرنے پر اکتفا کرے۔ یعنی اتنا علم کہ اعتقاد صحیح کو سمجھ سکے اور کیفیت عمل کو جان سکے۔ پھر ساری توجہ علم طریقت پر مبذول کر دے۔ اور علم طریقت نام ہے اخلاق فاسدہ سے دل کا تزکیہ اور اغراض دینا سے صفائی کا یہ علم فرض عین ہے جیسا کہ علماء کے فتاوی سے ظاہر ہے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم دو ہیں علم عبودیت یعنی علم شریعت اور علم ربوبیت یعنی علم طریقت اور ان دو کے علاوہ باقی سب ہوا، وھوس ہے۔

۸۔ ابو نعیم "الحلیہ" ج 5 ص 189۔ یہ روایت انہوں نے مکحول عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کے طریق سے نقل کی اور یہ مرفوع ہے۔ ملا علی قاری "الاسرار المرفوعہ" ص 454 پر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت امام احمد سے زہد میں حضرت مکحول سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے۔ لیکن وہاں ظھرت کی جگہ تفجرت ہے۔ سیوطی "الجامع الصغیر" ص 8361 پر بھی اسے ذکر کرتے ہیں۔ جامع الاصول میں ابن اثیر نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ دیکھیے جلد گیارہ 557 امام غزالی الاحیاء جلد چہارم ص 382 پر فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا فرمودہ اخلاص کے بارے شافی بیان ہے آپ ﷺ سے اخلاص کے بارے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا "اخلاص یہ ہے کہ تو کہے میرا رب اللہ ہے پھر اس پر اس طرح ثابت قدم رہ جس طرح تجھے حکم دیا گیا ہے۔ یعنی ہوائے نفس کی عبادت نہ کر۔ صرف اور صرف اپنے رب کی عبادت بجالا جیسا تجھے حکم دیا گیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ غیر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی جائز نہیں۔ یہی اخلاص ہے۔

۹۔ یہ حدیث کا ٹکڑا ہے۔ دیکھیے سنن ابی داؤد۔ کتاب الادب باب ماجاء فی النصیحۃ والحیاطۃ حدیث 4818 یہ حدیث حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے اور آخری الفاظ کچھ اس طرح ہیں " المؤمن یکف علیه ضیعته ویحوطه من ورائه دیکھیے جامع الاصول از ابن اثیر جلد ششم ص 563 بذل جہود میں علامہ سہارنپوری فرماتے ہیں۔ انسان آئینے میں اپنی صورت دیکھتا ہے کہ اپنے سراپے کی اصلاح کر لے۔ اسی طرح مؤمن مؤمن کے لیے آئینہ ہے وہ اپنے بھائی کی اطلاع اور تنبیہ پر اپنی اصلاح کرتا ہے

۱۰۔ یہ حدیث ہمیں نہیں مل سکی

چوتھی فصل

علوم کی تعداد :۔

علم ظاہر بارہ فنون پر مشتمل ہے۔ اسی طرح علم باطن کی بھی بارہ شاخیں ہیں۔ اس علم کو عوام، خواص اور اخص الخواص کی استعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے تقسیم کیا گیا ہے۔

جملہ علوم چار اقسام میں منحصر ہیں۔

1۔ شریعت کا ظاہری علم۔ مثلاً امر، نہی اور دوسرے احکام
2۔ شریعت کا باطنی علم۔ اسے علم طریقت کہتے ہیں۔
3۔ علم طریقت کا باطن۔ اسے علم معرفت کہتے ہیں۔
4۔ باطنی علوم کا باطن اسے علم حقیقت کا نام دیا جاتا ہے۔[1]

ان تمام علوم کا حصول ضروری ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے۔

اَلشَّرِيعَتُ شَجَرَةٌ وَالطَّرِيقَةُ اَغْصَانُهَا وَالْمَعْرَفَةُ اَوْرَاقُهَاوَالْحَقِيقَةُ اَثْمَارُهَا وَالْقُرْآنُ جَامِعٌ بَجَمِيعِهَا بِالدَّلَالَةِ وَالْاِشَارَةِ تَفْسِيرًا وَتَأوِيلًا

"شریعت ایک درخت ہے۔ طریقت اس کی ٹہنیاں ہیں، معرفت اس کے پتے ہیں اور حقیقت اس کا پھل ہے۔ قرآن دلالۃً، اشارۃً" اور تاویلاً ان تمام کا جامع ہے"

المجمع کے مصنف فرماتے ہیں کہ تفسیر عوام کے لیے ہے اور تاویل خواص کے لیے کیونکہ خواص ہی رسوخ فی العلم کے حامل ہوتے ہیں۔ کیونکہ رسوخ کا معنی ہے علم میں ثبات، استقرار اور استحکام جیساکہ مضبوط تنے کا بلند ترین درخت جس کی شاخیں آسمان تک جا پہنچی ہوں۔ رسوخ فی العلم کلمہ طیبہ کا نتیجہ ہے جو دل کی زمین کو پاک کر کے اس میں کاشت کیا جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق "الراسخون فی العلم" کا عطف "الا للہ" پر ہے (آل عمران :7)

صاحب تفسیر کبیر (امام رازی رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں [۲] کہ اگر یہ دروازہ کھل جائے تو باطن کے سب دروازے کھل جاتے ہیں۔

انسان اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کا پابند ہے۔ اسے بارگاہ خداوندی سے یہ حکم مل چکا ہے کہ ان چار دائروں میں سے ہر ایک دائرہ میں نفس کی مخالفت کرے۔

نفس دائرہ شریعت میں مخالف شریعت کاموں کا وسوسہ ڈالتا ہے۔ دائرہ طریقت میں موافقات کی تلبیس کا وسوسہ ڈالتا ہے مثلاً دعویٰ نبوت و ولایت اور دائرۂ معرفت میں شرک خفی کا وسوسہ ڈالتا ہے جسے وہ اپنے تئیں نورانیات کے دائرے کی چیز سمجھ رہا ہوتا ہے مثلاً وہ ربوبیت کے دعویٰ کے لیے وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ جیساکہ رب قدوس نے فرمایا:

اَفَرَأَیتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهُ هَوٰیهُ (الجاثیہ :23)

"ذرا اس کی طرف تو دیکھو جس نے بنا لیا ہے اپنا خدا اپنی خواہش کو"

رہا حقیقت کا دائرہ تو اس میں شیطان، نفس اور ملائکہ داخل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس دائرے میں غیر خدا جل کر خاکستر ہو جاتا ہے۔ جبرائیل آمین نے بارگاہ نبوت میں عرض کی تھی۔

لَوْدَنَوْتُ اَنمُلَةً لَاحْتَرَقْتُ [۳]

"اگر میں انگلی کے پورے کے برابر بھی آگے بڑھا تو جل جاؤں گا"

اس مقام پر پہنچ کر بندہ مؤمن اپنے دونوں دشمنوں، نفس اور شیطان سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے۔ اور مخلص[۴] شمار ہونے لگتا ہے جیسا کہ رب قدوس کا فرمان مبارک ہے۔

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ[۵] (ص :82-83)

"تیری عزت کی قسم! میں ضرور گمراہ کر دوں گا ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے تو نے چن لیا ہے"

اور جو بندہ حقیقت کے دائرے تک نہیں پہنچ سکتا وہ مخلص نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ بشری صفات کی فناء بجز تجلی ذات کے ممکن نہیں۔ اور جہولیت معرفت ذات سبحانہ کے بغیر مرتفع نہیں ہو سکتی۔ جب بندہ حقیقت کے دائرے میں پہنچ جاتا ہے تو جہولیت مکمل ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وہاں تو اللہ تعالیٰ بندے کو علم لدنی سے نوازتا ہے۔ بغیر کسی واسطہ کے اپنی معرفت عطا کرتا ہے اور بندہ خضر علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے مطابق اس کی عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے۔

یہی مقام مشاہدہ ہے جہاں انسان ارواح قدسیہ کو دیکھتا ہے۔ اپنے محبوب نبی کریم محمد مصطفیٰ ﷺ کو پہچانتا ہے۔ اس کی انتہاء ابتداء کے ساتھ منطبق ہو جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اسے ابدی وصال کی خوشخبری دیتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا (النساء :69)

"اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی"

اور جو اس علم (علم حقیقت) تک نہیں پہنچا وہ حقیقت میں عالم ہی نہیں اگرچہ اس نے ہزاروں کتب پڑھی ہوں۔[۶]

جسمانیت جب ظاہری علوم پر عمل پیرا ہوتی ہے تو جزاء میں اسے صرف جنت ملتی ہے جہاں وہ تجلی صفات کا عکس پاتا ہے مگر وہ حریم قدس اور قربت

میں داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ظاہری علم کا کام نہیں ہے۔ حریم قدس اور قربت پرواز کا عالم ہے۔ پرندہ بغیر پروں کے اڑ نہیں سکتا۔ صرف وہی بندہ ان علوم تک پہنچ سکتا ہے جو علم ظاہری اور علم باطنی کے دونوں پر رکھتا ہو جیسا کہ حدیث قدسی ہے۔

يَا عَبْدِيْ اِذَا اَرَدْتَ اَنْ تَدْخُلَ حَرَمِيْ فَلَا تَلْتَفِتْ اِلٰى الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ لِاَنَّ الْمُلْكَ شَيْطَانُ الْعَالِمِ وَالْمَلَكُوْتُ شَيْطَانُ الْعَارِفِ وَالْجَبَرُوْتُ شَيْطَانُ الْوَاقِفِ. مَنْ رَضِيَ بِاَحَدٍ مِنْهَا فَهُوَ مَطْرُوْدٌ عِنْدِيْ[۷]

"اے میرے بندے! جب تو میرے حرم میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو ملک، ملکوت اور جبروت کی طرف متوجہ نہ ہو۔ کیونکہ ملک عالم کا شیطان ہے۔ ملکوت عارف کا شیطان ہے اور جبروت واقف کا جو ان میں سے کسی ایک عالم سے راضی ہو گیا تو وہ میرے نزدیک مردود ہے"

مقصد یہ ہے کہ اسے قربت حاصل نہیں ہو گی۔ ہاں وہ مطرود الدرجات نہیں ہو گا (یعنی ثواب سے محروم نہیں ہو گا) چھوٹی منزلوں پر قناعت کرنے والے قربت حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ وہ مقصد کی پوری لگن نہیں رکھتے۔ گویا وہ ایک پر سے اڑنا چاہتے ہیں۔ (وہ ملک، ملکوت اور جبروت کی نعمتیں بھی چاہتے ہیں) جب کہ اھل قربت کو تو وہاں تک رسائی ہوتی ہے جہاں وہ کچھ ہوتا ہے۔

مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ[۸]

"جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے۔ نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا ہے"

وہ جنت القربت ہے اس جنت میں نہ تو حور و قصور ہیں اور نہ شہد اور

دودھ (کی نہریں)

انسان کو اپنی حیثیت پہچاننی چاہیے۔ کسی ایسی چیز کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیے جس کا اسے حق نہیں پہنچتا۔

امیر المؤمنین علی ؑ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ ایسے آدمی پر رحم فرمائے جس نے اپنی حیثیت کا اندازہ لگایا اور اپنی حیثیت سے آگے نہ بڑھا، اپنی زبان کی حفاظت کی اور اپنی عمر کو ضائع نہیں کیا''

عالم کو چاہیے کہ انسان حقیقی یعنی طفل معانی کا مطلب سمجھے اور اسمائے توحید پر مواظبت اختیار کر کے اس کی تربیت کرے۔ اسے عالم جسمانیت سے نکل کر عالم روحانیت میں آنا چاہیے۔ عالم روحانیت، باطن کی دنیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں بستا۔ یہ دنیا نور کا گویا ایک صحراء ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں۔ اور طفل معانی اس میں محو پرواز ہے۔ اس کے عجائب و غرائب کو دیکھتا پھر رہا ہے مگر کسی کو خبر دینے کا امکان نہیں۔ یہ ان موحدین کا مقام ہے جو اپنی ذات کو عین وحدت میں فنا کر چکے ہوتے ہیں۔ ان کے باطن میں جمال خداوندی کا نور ہوتا ہے جسے وہ دیکھتے رہتے ہیں۔ گویا وہ صرف اللہ ہی کو دیکھتے ہیں۔[۱۰]

پس یوں سمجھیئے کہ جس طرح انسان سورج کو دیکھے تو دوسری کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتا اسی طرح جب انسان مشاہدہ حق میں مستغرق ہو جاتا ہے تو جمال خداوندی کے مقابلے میں وہ کسی اور کو کیسے دیکھ سکتا ہے کیونکہ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان اپنی ذات سے محو ہو جاتا ہے اور سراپا حیرت بن جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا:

انسان آسمانوں کی بادشاہی میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ پرندوں کی طرح دوسری مرتبہ پیدا نہیں ہوتا

یہاں دوسری پیدائش سے مراد طفل معانی کی پیدائش ہے۔ یہ پیدائش روحانی ہے اور یہ پیدائش انسان کی حقیقی قابلیت سے ہوتی ہے۔ اور وہ ہے انسان کا

باطن طفل معانی کا وجود صرف اسی وقت ظاہر ہوتا ہے جب علم شریعت اور علم حقیقت یکجا ہوتے ہیں۔ کیونکہ بچہ والدین کے نطفوں کے اجتماع سے پیدا ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ اَمْشَاجٍ (الدھر :2)

"بلاشبہ ہم ہی نے انسان کو پیدا فرمایا ایک مخلوط نطفہ سے"

اس معنی کے ظہور کے بعد بندہ عالم خلق سے عالم امر کی گہرائیوں تک پہنچ جاتا ہے۔ بلکہ تمام عالم عالم الروح کے سامنے ایسے ہی ہیں جیسے قطرہ سمندر کے سامنے۔ اس ظہور کے بعد علوم لدنی روحانی کا فیض بلا حرف وصوت پہنچتا رہتا ہے۔

حواشی

۱۔ حاشیہ (ظ) میں آیا ہے: کہا گیا ہے کہ معراج کی رات اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کے درمیان نوے ہزار باتیں ہوئیں۔ ان میں سے تین ہزار کا تعلق احکام شریعت سے تھا۔ تین ہزار کا احکام طریقت سے اور تین ہزار کا احکام حقیقت سے۔ حضرت بایزید بسطامی کا قول ہے شریعت سمندر کی مانند ہے۔ طریقت سمندر کے پانی کو پی جانا ہے اور حقیقت سمندر کے تمام پانی کو ھضم کرنے کی مانند ہے۔

۲۔ تفسیر کبیر۔ از رازی جلد 7ص 166-178 امام صاحب نے سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔

۳۔ اس کی تخریج ہو چکی ہے۔ گذشتہ صفحات میں دیکھیں

۴۔ احیاء العلوم جلد چہارم ص 381-382 پر امام غزالی فرماتے ہیں کہ بعض علماء کا قول ہے کہ اخلاص فی العمل کا مطلب یہ ہے کہ شیطان بندے کے عمل پر مطلع نہ ہو سکے کہ اسے خراب کردے اور نہ ہی فرشتہ مطلع ہو کہ ثواب لکھ سکے۔ دوم فرماتے ہیں اخلاص فی العمل کا مطلب یہ ہے کہ انسان بغیر کسی عوض کے ارادہ کے نیک اعمال کرے۔ امام قشیری اپنے رسالہ میں صفحہ 163-164 پر لکھتے ہیں کہ حضرت حذیفہ مرعشی فرماتے ہیں کہ خلوت و جلوت کا یکساں ہونا اخلاص ہے۔ اخلاص کی تعریف میں یہ قول بھی ملتا ہے کہ عبادت اس خیال سے کرنا کہ اللہ تعالیٰ عبادت کے لائق ہے اسی جذبے کا نام اخلاص ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اخلاص اعمال پہ نظر نہ رکھنے کا نام ہے۔ ایک شخص سے اخلاص کے بارے پوچھا گیا تو اس نے کہا اخلاص یہ ہے کہ اللہ کے سواء تیرے عمل پر کوئی گواہی نہ دے سکے۔

۵- اتحاف السادۃ المتقین جلد 10 ص 44 پر حضرت زبیدی فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے اخلاص کے بارے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں نے جبریل امین سے پوچھا کہ اخلاص کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہ سوال بارگاہ الٰہی میں کیا تو رب قدوس نے فرمایا کہ اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے جسے میں نے اپنے محبوب بندوں کے دل میں ودیعت فرما رکھا ہے۔ امام قشیری اپنے رسالہ میں ص 162-163 پر لکھتے ہیں کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اخلاص اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک انسان اللہ میں صرف نہ ہو جائے اور اس پر صبر نہ کرے۔ اور سچائی صرف اسی صورت میں مکمل ہوتی ہے کہ اللہ میں انسان مخلص ہو جائے اور اس پر مداومت اختیار نہ کرے۔

۶- حاشیہ (ظ) میں آیا ہے کہ شیخ محمود آفندی الاسکداری فرماتے ہیں۔ جس نے اصطلاحات کی تدریس اور تصنیف میں ہزاروں سال صرف کر دے وہ پھر بھی قلب کی خوشبو نہیں سونگھ سکتا۔ علم القلب ہی معتبر علم ہے۔

۷- یہ حدیث ہمیں نہیں ملی

۸- یہ بخاری کی روایت کردہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ دیکھیے صحیح بخاری۔ کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ وانھا مخلوقۃ حدیث نمبر 3072 اسے مسلم نے بھی ذکر کیا ہے۔ دیکھیے صحیح مسلم۔ کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واصلھا حدیث نمبر 2824 اس کے راوی حضرت ابوہریرہ ہیں اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں قال اللہ تعالیٰ۔ اعددت لعبادی الصالحین مالاعین رأت واذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر فاقرء وا ان شئتم فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین (السجدہ: 17) مزید دیکھیے جامع الاصول۔ ازابن اثیر۔ ج 494/10

۹- علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم۔ ابو الحسن۔ حضور ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں۔ آپ خلیفہ چہارم ہیں۔ حضور ﷺ کی کفالت میں بڑے ہوئے۔ آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ لوگوں میں سب سے پہلے آپ نے ہی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ اس غزوہ میں آپ اہل بیت علیھم الرضوان کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ منورہ میں چھوڑ دیے گئے۔ آپ شجاعت و بہادری میں مشہور ہیں۔ چالیس سن ہجری کو شہید ہوئے۔ آپ کی سیرت کے لیے دیکھیے "تہذیب تاریخ الخلفاء" امام سیوطی کی تہذیب الشیخ نایف العباس۔ تحقیق خالد الزرعی۔ محمد غسان عزقول۔ یہ کتاب دار الباب دمشق سے طبع ہوئی ہے۔

۱۰- حاشیہ (ظ) میں کسی آدمی کا نام مذکور نہیں لیکن بعض نسخوں میں قال الشیخ زین الدین عطا رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں۔

پانچویں فصل

توبہ[1] اور تلقین :-

یاد رکھیے مذکورہ مراتب سچی توبہ[2] اور تلقین مرشد کے بغیر ہاتھ نہیں آتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى (الفتح :26)

"اور انہیں استقامت بخش دی تقویٰ کے کلمہ پر"

اس سے مراد یہ ہے کہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کسی ایسے مرشد کامل سے لے جس کا دل پاک وصاف ہو اور اس دل میں اللہ کے سواء کسی اور کا بسیرا نہ ہو۔ اس سے مراد وہ کلمہ نہیں جو عوام الناس کی زبان پر جاری ہوتا ہے۔ اگرچہ عوام اور خواص کے کلمے کے الفاظ تو ایک جیسے ہیں لیکن ان کے معانی میں بہت فرق ہے۔ کیونکہ دل توحید کا بیج جب کسی زندہ دل سے اخذ کرتا ہے تو وہ بھی زندہ ہو جاتا ہے اور ایسا بیج کامل بیج بن جاتا ہے۔ ایک نامکمل بیج کبھی نہیں اگ سکتا۔ اسی لیے کلمہ توحید کے بیج کا تذکرہ قرآن کریم میں دو جگہ آیا ہے۔

1۔ ایک تو ظاہری قول کے ساتھ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (الصافات :35)

"جب انہیں کہا جاتا ہے کہ نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا"

2۔ اور دوسرے علم حقیقی کے ساتھ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے :

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ

وَالْمُؤْمِنٰتِ (محمد :19)

"پس آپ جان لیں کہ نہیں کوئی معبود بجز اللہ کے اور دعا مانگا
کریں کہ اللہ آپ کو گناہ سے محفوظ رکھے نیز مغفرت طلب
کریں مومن مردوں اور عورتوں کیلئے"

یہ آیت اپنے شان نزول کے سبب خواص کی تلقین کے لیے نازل کی گئی ہے۔ بستان شریعت میں ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے بارگاہ نبوت میں قریب ترین، آسان اور افضل راستے کی تمنا ظاہر کی وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں نبی کریم ﷺ نے وحی کا انتظار فرمایا حتی کہ جبرائیل امین حاضر ہوئے اور کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی تین بار تلقین کی۔ حضور ﷺ نے اس کلمے کو دھرایا اور پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس کی تلقین فرمائی [۳] پھر آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لے گئے انہیں بھی تلقین کی۔ اور فرمایا:

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ [۴]

"ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ آئے"

یہاں جہاد اکبر سے مراد نفس کے خلاف جہاد ہے۔ جیسا کہ ایک اور حدیث میں فرمایا:

اَعْدٰى اَعْدَائِكَ نَفْسُكَ الَّتِيْ بَيْنَ جَنْبِكَ [۵]

"تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا اپنا نفس ہے جو تیرے پہلو میں ہے"

تو اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی کامل محبت حاصل نہیں کر سکتا جب تک اپنے اندر نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس ملہمہ کو شکست فاش نہیں دے لیتا۔ نفس شکست کھا گیا تو گویا تو اخلاق ذمیمہ سے پاک صاف ہو گیا۔ میری مراد اخلاق حیوانیہ مثلاً کھانے پینے اور سونے میں زیادتی، لغو و بیہودہ گفتگو۔ اخلاق سبعیہ مثلاً غصہ، گالی گلوچ، لڑنا جھگڑنا۔

اخلاق شیطانیہ مثلاً کبر و نخوت، حسد و کینہ وغیرہ اس کے علاوہ اور بھی

بہت سے اخلاق ذمیمہ ہیں۔ یہ تمام نفس سے تعلق رکھتے ہیں خواہ بدنی ہو یا قلبی۔ جب انسان ان اخلاق ذمیمہ سے پاک ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ گناہوں سے واقعی پاک ہو چکا ہوتا ہے۔ اور اس کا شمار متطھرین اور توابین میں ہونے لگتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (البقرہ:222)

"بیشک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے بہت توبہ قبول کرنے والوں کو اور دوست رکھتا ہے صاف ستھرا رہنے والوں کو"

ظاہری گناہوں سے توبہ کرنے والے اس آیت کا مصداق نہیں ہیں۔ اگرچہ وہ تائب ہیں لیکن وہ تواب نہیں ہیں۔ کیونکہ تواب مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس سے مراد خواص کی توبہ ہے۔

ظاہری گناہوں سے توبہ کرنے والے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گھاس کو کاٹ دیتا ہے جڑ سے اکھیڑتا نہیں۔ ظاہر ہے یہ گھاس دوبارہ اگے گی اور پہلے سے زیادہ اگے گی۔

تواب کی مثال گھاس کو جڑ سے اکھیرنے والے کی ہے۔ یہ گھاس دوبارہ نہیں اگے گی اگر اگ بھی آئی تو معمولی سی ہو گی جسے بآسانی اکھیڑا جا سکتا ہے۔ تلقین ایک ایسا آلہ ہے جو مرید کے دل سے غیر اللہ کو کاٹ ڈالتا ہے کیونکہ کڑوا درخت کاٹ کر ہی اس کی جگہ میٹھے پھل کا درخت لگایا جا سکتا ہے۔ اس بات میں غور و فکر کرو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوْ عَنِ السَّيِّئَاتِ (شوریٰ :25)

"اور وہی ہے جو توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں کی اور درگزر کرتا ہے ان کی غلطیوں سے"

ایک اور آیت کریمہ میں فرمایا:

مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ

سَیِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ (الفرقان :70)

"وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے تو یہ وہ لوگ ہیں بدل دے گا اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے"

توبہ کی دو قسمیں ہیں۔ عوام کی توبہ اور خواص کی توبہ۔ عوام کی توبہ تو یہ ہے کہ انسان گناہ کو چھوڑ کر اطاعت کی طرف آجائے۔ اخلاق ذمیمہ کو ترک کر کے اخلاق حمیدہ کو اپنا لے۔ جنہم کی راہ سے ہٹ کر جنت کے راستے پر چل دے۔ آرام و آسائش کی عادت کو چھوڑ کر ذکر و فکر اور مجاہدہ و ریاضت کے ذریعے نفس کو مطیع کرنے کی کوشش کرے۔ (یہ عوام الناس کی توبہ ہے) خواص کی توبہ یہ ہے کہ انسان عوام کی توبہ؎ حاصل کر لینے کے بعد حسنات سے معارف کی طرف، معارف سے درجات کی طرف، درجات سے قربت کی طرف، قربت و لذات نفسانیہ سے لذات روحانیہ کی طرف لوٹے۔ خواص کی توبہ گویا ترک ماسوا اس سے انس اور اس کی طرف یقین کی آنکھ سے دیکھنا ہے۔

یہ تمام چیزیں وجود کے کسب سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور وجود کا کسب گناہ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ تیرا وجود گناہ ہے اس سے بڑے گناہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا؎ عرفاء کہتے ہیں کہ ابرار کی حسنات مقربین کی سیأت ہیں اور مقربین کی سیأت ابرار کی حسنات ہیں اسی لیے حضور ﷺ روزانہ سو بار استغفار کرتے جیسا کہ رب قدوس کا ارشاد ہے۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ (محمد :19)

"اور استغفار کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو گناہ سے محفوظ رکھے"

یہاں گناہ سے مراد وجود کا گناہ ہے۔ اسی کا نام انابت ہے کیونکہ انابت ماسوا اللہ کو چھوڑ کر اللہ کا ہو جانا آخرت میں قربت کے واسطے میں داخل ہونا اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کا دیدار حاصل کرنا ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ لِلّٰهِ عِبَاداً اَبَدَ انهُمْ فِی الدُّنیَا وَقُلُوبُهُمْ تَحْتَ الْعَرْشِ؎

"اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جن کے بدن تو دنیا میں
ہیں لیکن ان کے دل تحت العرش ہوتے ہیں"

اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ ہاں صفات خداوندی کے عکس کو دل کے آئینے میں دیکھنا ممکن ہے۔ جیسا کہ حضرت سیدنا امیر المؤمنین عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔[۹]

"میرے دل نے اپنے رب کا دیدار کیا" یعنی میرے رب کے نور کے ساتھ۔ پس دل جمال خداوندی کے عکس کو دیکھنے کا آئینہ ہے۔

یہ مشاہدہ مرشد کامل کی تلقین کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ مگر ضروری ہے کہ شیخ واصل بحق ہو اور اس کا سلسلہ طریقت آخر تک متصل ہو۔ وہ حضور ﷺ کے واسطہ سے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ناقصوں کی تکمیل کے لیے مقرر کیا گیا ہو (صاحب خلافت ہو)

اولیاء خواص کے لیے بھیجے جاتے ہیں عوام کے لیے نہیں۔ یہی فرق ہے ولی اور نبی میں نبی عام و خاص ہر ایک کے لیے مستقل بنفسہ مبعوث ہوتا ہے لیکن ولی مرشد صرف خواص کے لیے بھیجا جاتا ہے اور وہ مستقل بنفسہ نہیں ہوتا۔ ولی کو ہر حال میں اپنے نبی کی اتباع کرنا ہوتی ہے۔ اگر وہ استقلال بنفسہ کا دعویٰ کرے تو کافر ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی امت کے علماء کو انبیاء بنی اسرائیل جیسا فرمایا ہے۔ کیونکہ انبیاء نبی اسرائیل حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی اتباع کرتے تھے۔ لیکن ان کے علماء دین کی تجدید کرتے اور نئی شریعت لائے بغیر اسی شریعت کے احکام کی تاکید کرتے۔ اسی طرح اس امت کے علماء جنہیں منصب ولایت پر فائز کیا گیا ہے خواص کے لیے بھیجے گئے ہیں تاکہ وہ امر و نہی کی تجدید کریں۔ اور تاکید و تبلیغ، اصل شریعت کے تزکیہ کے ذریعے عمل میں استحکام پیدا کریں۔ تصفیہ اور تزکیہ سے مراد دل کی پاکیزگی ہے۔ دل معرفت کا محل ہے۔ یہ لوگ حضور (کے علم کے ذریعے خبر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اصحاب صفہ معراج سے پہلے اسرار معراج بتایا کرتے تھے۔ امت محمدیہ کا کامل

ولی وہی ہے جس کو یہ نور عطا کیا گیا ہو۔ یہ نور نبوت کا ایک جزو ہے اور ولی اللہ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی امانت۔ عالم وہ نہیں جس کے پاس صرف ظاہری علم ہو۔ اگرچہ ظاہری عالم بھی وراثت نبوت کا حقدار ہے لیکن اس کی حیثیت ذوی الارحام کی سی ہے۔ کامل وارث وہ ہے جو بیٹے کی جگہ ہو۔ بچہ اپنے والد کا ظاہر و باطن میں راز ہوتا ہے۔ اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا:

> اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ کَھَیْئَۃِ الْمَکْنُوْنِ لَا یَعْلَمُہٗ اِلَّا الْعُلَمَاءُ بِاللّٰہِ تعالیٰ فَاِذَا نَطَقُوْا بِہٖ لَمْ یُنْکِرُہٗ اِلاَّ اَھْلُ الغَرَّۃِ۔[10]
>
> "علم ایک چھپی ہوئی چیز کی مانند ہے جسے صرف علماء باللہ ہی جانتے ہیں۔ جب وہ اس علم کو زبان پر لاتے ہیں تو غافل لوگوں کے سواء کوئی انکار نہیں کرتا"

یہی وہ راز ہے جو معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر میں ودیعت فرمایا تھا۔ علم کے جو تیس ہزار باطن ہیں۔ ان میں سے یہ آخری باطن ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس راز سے اپنے مقربین صحابہ اور اپنے اصحاب صفہ علیھم الرضوان کے علاوہ کسی عامی کو آگاہ نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان مقربین بارگاہ کی برکتوں سے ہمیں مستفیض فرمائے اور ان کی نیکیوں اور احسانات کی بارش سے ہمیں سیراب کرے۔ آمین یارب العالمین۔

علم باطن اسی راز کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ تمام علوم و معارف اسی راز کا چھلکا ہیں۔ جو علمائے ظاہر ہیں وہ بھی اس راز کے وارث ہیں۔ بعض کی حیثیت صاحب الفروض کی ہے۔ بعض کی عصبات اور بعض کی ذوی الارحام کی۔ یہ لوگ علم کے چھلکے کو دعوت الی سبیل اللہ کے ذریعے پھیلا رہے ہیں یہ مواعظ حسنہ سے کام لیتے ہیں لیکن مشائخ اھل سنت جن کا سلسلہ طریقت مولا علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے وہ علم کے مغز کے وارث ہیں۔ انہیں باب مدینۃ العلم کی وساطت سے یہی علم ارزانی ہوا ہے یہ لوگ حکمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے

ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (النحل :125)

"(اے محبوب!) بلایئے (لوگوں کو) اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور ان سے بحث (ومناظرہ) اس انداز سے کیجئے جو بڑا پسندیدہ (اور شائستہ ہو"

علماء ظاہر اور علماء باطن کی گفتگو تو ایک جیسی ہوتی ہے لیکن فروعات میں فرق ہوتا ہے۔ یہ تینوں معانی حضور ﷺ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر کسی اور کو عطا نہیں کیے گئے۔ ان معانی کو تین قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1۔ پہلی قسم :۔

علم کا مغز ہے۔ یہ علم حال ہے۔ یہ ہے۔ یہ علم صرف مردان باصفا کو عطا ہوتا ہے جن کی ہمت کی تعریف حضور ﷺ نے فرمائی ہے۔

"هِمَّةُ الرِّجَالِ تَقْلَعُ الْجِبَالَ"[۱۱]

"مردوں کی ہمت پہاڑوں کو اکھیڑ پھینکتی ہے"

یہاں پہاڑوں سے مراد قساوت قلبی ہے جو بندگان خدا کی دعا اور تضرع سے محو ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْراً کَثِیْراً (البقرہ:269)

"اور جسے عطا کی گئی دانائی تو یقیناً اسے دے دی گئی بہت بھلائی"

2۔ دوسری قسم :۔

اس مغز کا چھلکا۔ یہ علماء ظاہر کا حصہ ہے اور اس سے مراد موعظت حسنہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اَلْعَالِمُ یَعِظُ بِالْعِلْمِ وَالْاَدَبِ وَالْجَاهِلُ یَعِظُ بِالضَّرْبِ وَالْغَضَبِ[۱۲]

"عالم علم اور ادب کے ذریعے سمجھاتا ہے جبکہ جاہل مار پیٹ
اور ناراضگی سے"

3۔ تیسری قسم :۔

یہ چھلکے کا بھی چھلکا ہے۔ یہ حصہ امراء کو دیا جاتا ہے۔ وہ عدل ظاہری اور سیاست ہے جس کی طرف قرآن نے بایں الفاظ اشارہ کیا ہے۔

وَجَادِلهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (النحل :125)

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفت قھر کے مظاہر ہیں۔ یہ نظام دین کی حفاظت کا سبب بنتے ہیں۔ جس طرح کہ سفید چھلکا اخروٹ کی حفاظت کرتا ہے۔ ظاہری علماء کا مقام سرخ اور سخت چھلکے کی مانند ہے اور فقرائے صوفیاء عارفین مغز ہیں جو درخت اگانے کا اصل مقصود ہوتا ہے۔ یہی لب لباب ہے۔ اسی لیے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَلَیْکُمْ بِمَجَالَسَةِ الْعُلَمَاءِ وَاسْتِمَاعِ کَلَامِ الْحُکَمَاءِ
فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ یُحْیِیْ الْقَلْبَ بِنُوْرِ الْحِکْمَةِ کَمَا
یُحْیِی الْاَرْضَ الْمَیْتَةَ بِمَاءِ الْمَطَرِ[۱۳]

"علماء کی مجلسوں میں بیٹھو اور حکماء کا کلام سنو۔ کیونکہ اللہ
تعالیٰ نور حکمت سے مردہ دلوں کو زندگی بخشتا ہے جس طرح
مردہ زمین کو بارش کے پانی سے زندہ کردیتا ہے"

ایک اور حدیث پاک میں ہے۔

کَلِمَةُ الْحِکْمَةِ ضَآلَّةُ الْحَکِیْمِ اَخَذَهَا حَیْثُ وَجَدَهَا[۱۴]

"دانائی کی بات عقلمند آدمی کی (گویا) گمشدہ چیز ہے وہ اسے
جہاں ملتی ہے حاصل کرلیتا ہے"

لوگوں کی زبانوں پر جاری کلمہ (لا اله الا الله محمد رسول الله) لوح محفوظ سے نازل ہوا ہے۔ لوح محفوظ عالم الجبروت کے درجات سے ہے۔ اور

جو کلمہ واصلین کی زبانوں پر جاری ہے وہ لوح اکبر سے بلاواسطہ زبان قدرت کے ذریعے قربت میں نازل ہوا ہے۔ ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ اسی لیے اھل تلقین (مرشد کامل) کی تلاش فرض ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ [۱۵]

"علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے"

حدیث پاک میں علم سے مراد علم معرفت و قربت ہے۔ باقی علوم ظاہرہ کی ضرورت اتنی ہے کہ انسان فرائض کو بجالا سکے جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

حیاۃ القلب علم فادخرہ
وموت القلب جھل فاجتنبہ
وخیرمرادک التقوی فزدہ
کفاک بما وعظتک فاتعظہ

دل کی زندگی علم ہے۔ اسے ذخیرہ کر لے۔ اور دل کی موت جہالت ہے اس سے دامن بچالے۔

تیری بہترین مراد تقویٰ ہے اس میں اور اضافہ کر۔ میری یہ نصیحت تیرے لیے کافی ہے پس اسے پلے باندھ لے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی (البقرہ: 197)

"اور سفر کا توشہ تیار کرو اور سب سے بہتر توشہ تو پرہیزگاری ہے"

اللہ تعالیٰ کی رضا اس میں ہے کہ بندہ قربت کی طرف سفر کرے اور درجات (ثواب) کی طرف ملتفت نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (الکھف: 30)

"بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے"

اور فرمایا:

قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْراً اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی
(الشوریٰ :23)

"آپ فرمایئے میں نہیں مانگتا اس (دعوت حق) پر کوئی معاوضہ بجز قرابت کی محبت کے"

ایک قول کے مطابق المودۃ فی القربیٰ کا معنی عالم قربت ہے۔

حواشی

۱۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الفتح" میں گیارہویں جلد ص 103 پر لکھتے ہیں کہ توبہ لغت میں گناہ سے منہ موڑ لینے کو کہتے ہیں۔ اور شریعت مطہرہ میں گناہ کو اس کی قباحت کے پیش نظر ترک کرنا۔ اس کے کرنے پر نادم ہونا اور دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا۔ جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے امکانی حد تک اس کی تلافی کرنا اور اس کے حق کو ادا کرنا توبہ ہے۔ جبکہ اہل حقیقت کر نزدیک توبہ یہ ہے کہ گزری خطاؤں پر ندامت کی جائے اور آئندہ نیکی پر مداومت اختیار کی جائے۔

۲۔ ابن ماجہ اپنی سنن میں حضرت ابو عبید اللہ بن عبد اللہ سے وہ اپنے والد گرامی حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو" دیکھیے کتاب الزھد۔ باب ذکر التوبہ حدیث نمبر 4250۔ اسی حدیث کو انہیں الفاظ کے ساتھ دیلمی نے فردوس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حدیث نمبر 2432۔ انہوں نے یہ اضافہ بھی کیا ہے "جب اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا" زبیری اتحاف السادۃ المتقین جلد آٹھ ص 506 پر ان الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں کہ پھر حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین (البقرہ :222) امام سیوطی الفتح الکبیر ج 11/3 پر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرنے والے جوان سے پسندیدہ اور کوئی نہیں اور گناہوں پر اصرار کرنے والے بوڑھے کی نسبت اور کوئی مبغوض بھی نہیں۔ وہ نیکی اللہ کو سب نیکیوں سے زیادہ پسند ہے جو جمعہ کی رات کو یا جمعہ کے دن کو کی جائے اور وہ گناہ سب گناہوں کی نسبت زیادہ نا

پسندیدہ ہے جو جمعہ کی رات یا دن کو کیا جائے۔ امام قشیری اپنے رسالہ میں ص 77 پر لکھتے ہیں کہ توبہ سالکین کی پہلی منزل ہے۔ اور طالبین حق کے لیے یہی پہلا مقام ہے۔

۳۔ حاشیہ (ظ) میں آیا ہے کہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے عبادت کا کوئی ایسا طریقہ سکھاؤ جو سہل ترین ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب طریقوں سے بہتر شمار ہوتا ہو حضرت ﷺ نے فرمایا۔ علی! خلوت میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ حضرت علیؓ نے پوچھا حضور! کیسے ذکر کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا آنکھیں بند کرو اور مجھ سے تین مرتبہ سنو۔ پھر جو کلمہ میں بتاؤں اس کا تین مرتبہ ورد کرو میں سنوں گا۔ حضور ﷺ نے آنکھ بند کر کے تین مرتبہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کا ورد فرمایا حضرت علی سنتے رہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لا الہ الا اللہ کا آنکھیں بند کرے کے تین مرتبہ ورد کیا اور حضور ﷺ سنتے رہے۔

۴۔ یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ صحابہ کرام علیھم الرضوان نے پوچھا جہاد اکبر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "جہاد قلب" اس حدیث کو امام غزالی نے الاحیاء جلد سوم ص ۴ پر نقل کیا ہے۔ عراقی اپنی کتاب "المغنی" میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو بیہقی نے زہد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے۔ امام بیہقی کے نزدیک "الذھد الکبیر" ص 373 پر یہ حدیث صفیف بتائی گئی ہے۔ امام سیوطی فرماتے ہیں کہ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں جلد 13 ص 493 پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ تشریف لائے اور اپنے صحابہ کرام کو خوش آمدید کہا اور فرمایا ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کو لوٹ رہے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا جہاد اکبر کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: انسان کا اپنی خواہشات سے جہاد کرنا مناوی "فیض القدیر" جلد 4 ص 511 پر لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کے جواب میں فرمایا! ہم ایک ایسے دشمن سے جنگ کر کے آرہے ہیں جو ہم سے الگ تھگ رہتا ہے۔ اور اب ہمیں ایک ایسے دشمن کا سامنا ہے جو ہمارے ساتھ ساتھ ہے۔ اپنی خواہشات سے جنگ سب سے بڑا اور عظیم ترین جہاد ہے۔ کیونکہ کفار کے خلاف جنگ کرنا فرض کفایہ ہے اور نفس کے خلاف جنگ کرنا ہر مکلّف پر ہر وقت فرض عین ہے۔ اسی بڑے جہاد کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شدید ترین جہاد۔

خواہشات کے خلاف جہاد ہے۔ پس جس نے نفس کو خواہشات سے روک لیا۔

۵۔ اس حدیث کو امام غزالی نے "الاحیاء" جلد سوم ص 4 پر نقل فرمایا ہے۔ علامہ۔ عراقی اپنی "المغنی" جلد سوم ص 4 پر فرماتے ہیں کہ اسے بیہقی نے "الزھد الکبیر" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک نام محمد بن عبدالرحمٰن بن غروان کا ہے جو حدیث گھڑنے میں مشہور ہے۔ دیلمی نے "القدوس" میں اور متقی ھندی نے کنز العمال جلد 4 ص 431 پر اسے نقل کیا ہے۔

۶۔ امام قشیری فرماتے ہیں جس نے سزا کے خوف سے توبہ کی وہ صاحب توبہ ہے۔ جس نے ثواب کیلئے توبہ کی وہ صاحب روبہ (متوجہ ہونے والا) ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ توبہ مؤمن کی صفت ہے۔ رب قدوس کا فرمان ہے۔ وتوبوا الی اللہ جمیعا ایھا المؤمنوں (نور :31) انابت اولیاء کی صفت ہے۔ رب قدوس کا فرمان ہے وجاء بقلب منیب (ق :33) روبہ انبیاء ومرسلین کی صفت ہے۔ رب قدوس کا ارشاد ہے۔ نعم العبد انہ اواب (ص :44)

۷۔ جب انسان لذات روحانیہ اور قربت حاصل کر لیتا ہے اور فناء میں غرق ہو جاتا ہے ور اللہ کی قربت حاصل کر لیتا ہے تو اس کا مقصد پورا ہو جاتا ہے کیونکہ انسان کے وجود کا اصل مقصد ہی یہی ہے (وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون) (ذاریات :56) اس مقام پر پہنچ کر بندے کو اپنی ذات بھلا دینی چاہیے۔ بلکہ اس ذات کا یہاں لاشی ہونا واجب ہے۔ بندے کو زیب ہی نہیں یہ ہے کہ وہ نور الٰہی کے سامنے معدوم ہو جائے اس مقام پر بھی اگر اس کا وجود باقی ہے تو یہی سب سے بڑا گناہ ہوگا۔ کیونکہ جس نے حق کو پہچانا اور اپنے اور وجود کو باقی رکھا تو اس نے بے ادبی کی اور یہ بہت بڑا گناہ ہے عرفاء کہتے ہیں کہ ابرار کی حسنات مقربین کی سیئات ہیں اور مقربین کی سیئات ابرار کے حسنات ۲۔ یہ حضرات ابی سعید خرار کا کلام ہے۔ اسے ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں جلد دوم ق 65 پر نقل کیا ہے۔ لیکن زرکشی نے اسے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ دیکھیے "لقطۃ العجلان" ص 155 "الکشف" جلد اول ص 428 پر عجلونی کہتے ہیں کہ ابرار اور مقربین میں فرق یہ ہے کہ مقربین وہ لوگ ہیں جو حظوظ اور ارادہ سے لے لیے گئے ہوتے ہیں (اپنے ارادوہ سے کام نہیں لیتے راضی برضا رہتے ہیں) اور اپنے مولا کے حقوق کو پورا کرنے میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ عبادت اور طلب میں ان کی منزل مولا

کی رضا ہوتی ہے ابرار وہ ہیں جو اپنے خطوط اور ارادوں کے ساتھ باقی ہوتے ہیں اور اعمال صالحہ اور مقامات یقین میں انہیں قیام بخشا جاتا ہے تاکہ وہ ان مجاھدوں سے ارفع درجات کی جزا پائیں واللہ اعلم "المصنوع" ص 94

۸۔ یہ حدیث ہمیں نہیں ملی۔

۹۔ عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ، القرشی، العدوی، ابو حفص۔ آپ عام الفیل کے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے۔ ستائیس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ اشراف قریش میں شمار ہوتے تھے۔ جاھلیت میں سفارت کا منصب آپ کے پاس تھا۔ آپ عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ نبی کریم علیہ السلام کے سسر ہونے کا شرف رکھتے ہیں 23ھ میں شہید ہوئے تفصیل کیلئے دیکھے کتاب "تہذیب تاریخ الخلفاء" از امام سیوطی تہذیب الشیخ نایف العباس، تحقیق خالد الرزعی۔ محمد غسان عزقول۔ دار الالباب دمشق

۱۰۔ اسے دیلمی نے "الفردوس" ص802 پر حضرت ابو ھریرہ سے روایت کر کے نقل کیا ہے۔ منذری نے "الترغیب والترھیب" جلد اول ص 103 پر اسے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اسے ابو عبد الرحمن سلمی "الاربعین فی التصوف" میں۔ سیوطی نے "اللآلی" جلد اول ص 221 پر نقل کیا ہے اور اتنا زائد کیا ہے "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک جگہ علماء کو جمع فرمائے گا اور ان سے فرمائے گا میں نے تمہیں اس لیے علم ودیعت نہیں کیا کہ تمہیں عذاب دینے کا ارادہ رکھتا تھا" حدیث میں اھل العزۃ سے مراد اہل غفلت ہیں جو دنیا کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ دنیا کی زیب و زینت نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہوتا ہے۔ شھوات نفسانی کی اتباع کرتا ہے اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔ (اسی وجہ سے) اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی نافرمانی کرتا ہے اور دین کو بالکل ترک کر دیتا ہے۔ یہ اشعار امام شافعی کی طرف منسوب ہیں۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی
فاوصانی الی ترک المعاصی
فان العلم نور من اله
ونور اللّٰه لا یعطی لعاصی

میں نے حضرت وکیع کی خدمت میں اپنے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی تو انھوں نے مجھے گناہ چھوڑنے کی تلقین فرمائی اور بتایا کہ علم اللہ کے نور سے نور ہے ایک نور ہے اور یہ نور

سرکش کو نہیں دیا جاتا۔

۱۱۔ العجلونی ''الکشف'' جلد دوم ص 444 پر لکھتے ہیں کہ مجھے علم نہیں ہو سکا کہ یہ حدیث ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے اسے شیخ احمد غزالی (امام غزالی کے سگے بھائی) سے نقل کیا ہے۔ پس اس کی مراجعت کیجئے۔ الازھری نے ''تحذیر'' ص 183 میں اسی کی موافقت فرمائی ہے۔

۱۲۔ یہ حدیث ہمیں نہیں ملی

۱۳۔ یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے جسے الھیثمی نے ''المجمع'' جلد اول ص 125 پر حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی: اے میرے بیٹے علماء کی مجلس میں بیٹھا کرو۔ اور دانشوروں کا کلام سنا کرو اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو نور حکمت سے اسی طرح زندہ کرتا ہے جس طرح بارش کے پانی سے مردہ ذہن کو۔ الھیثمی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو طبرانی نے ''الکبیر'' میں روایت کیا ہے۔ ابو نعیم ''حلیہ'' جلد اٹھ ص 82 پر لکھتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے موقوفا اور مرفوعا روایت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر عالم کی مجلس میں مت بیٹھو۔ صرف اس عالم کی مجلس میں بیٹھو جو پانچ چیزوں سے (ہٹ کر) پانچ چیزوں (کو اپنانے) کی دعوت دیتا ہو۔ شک سے یقین ریاء سے اخلاص، رغبت سے تکبر سے عاجزی، اور عداوت سے نصیحت''۔ اسے امام غزالی نے بھی الاحیاء'' میں جلد اول ص 263 پر ذکر فرمایا ہے۔

۱۴۔ امام قضاعی اپنی مسند میں (جلد اول ص 65) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دانائی کی بات عقلمند کی گمشدہ چیز ہے وہ اسے جہاں پائے لینے کا سب سے زیادہ حق رکھتا ہے'' امام ترمذی ''الجامع الصحیح'' میں (کتاب العلم باب ماجاء فی فضل العلم ''حکمت کی بات مؤمن کی گمشدہ میراث ہے۔ جہاں اسے پائے دوسروں سے زیادہ اس کے لینے کا حق رکھتا ہے''

۱۵۔ ابن ماجہ کی روایت کردہ حدیث کا ٹکڑا ہے۔ (سنن ابن ماجہ۔ کتاب المقدمہ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم حدیث نمبر 224) حضرت انس بن مالک سے روایت ہے۔ تمہ حدیث یہ ہے...... نااھل کو علم سکھانا ایسے ہے جیسے خنزیر کے گلے میں سونے اور موتیوں کا ہار'' مناوی (فیض القدیر۔ ج 4/ 267) فرماتے ہیں کہ حضرت سہروردی

(عوارف المعارف) میں فرماتے ہیں فرض علم کونسا ہے اس بارے اختلاف ہے پہلا قول یہ ہے کہ علم الاخلاص کہ الاخلاص اور آفات نفس کی معرفت کا علم فرض ہے کیونکہ اخلاص مامور بہ ہے جس طرح کہ عمل مامور بہ ہے۔ نفس کا دھوکہ اس کی سرکشی اور شھوات اخلاص کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ پس اخلاص کا علم فرض ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ معاملات مثلاً بیع و شراء کا علم فرض ہے۔ تیسرا قول یہ ہے علم التوحید فرض ہے تاکہ انسان اس نظریے کو اپنا سکے۔ استدلال کر سکے اور نقل کر سکے۔ چوتھا قول یہ ہے علم الباطن فرض ہے۔ اور اس سے مراد ایسا علم ہے جو یقین میں اضافہ کر دے۔ یہ علم صحبت اولیاء سے میسر آتا ہے۔ کیونکہ وہ مصطفیٰ کریم ﷺ کے وارث ہوتے ہیں۔ امام غزالی (منہاج العابدین ص 7-8) فرماتے ہیں یاد رکھیے جن علوم کا حصول فرض ہے ان کی کل تین قسمیں ہیں۔ علم توحید، علم باطن یعنی وہ علم جس کا تعلق دل اور اس کی مساعی سے ہے اور علم شریعت۔ ان میں سے ہر علم کتنا سیکھنا فرض ہے تو اس بارے عرض ہے کہ علم توحید سے تو اتنا فرض ہے جس سے دین کے اصول معلوم ہو سکیں یعنی جس علم کے ذریعے تو سمجھ جائے کہ تیرا ایک معبود ہے جو عالم، قادر، ارادہ فرمانے والا، ہمیشہ زندہ رہنے والا متکلم، سمیع وبصیر وحدہ لاشریک ہے۔ وہ صفات کمال سے متصف ہے۔ ہر عیب اور کمزوری سے پاک ہے وہ حدوث سے پاک قدیم ہے۔ ہر حادث کا خالق ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جو شریعت وہ لیکر آئے ہیں حق ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے۔ رہا علم باطن کی فرض مقدار تو وہ واجبات اور مناھی کا علم ہے۔ تاکہ تو اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو سمجھ سکے اور اخلاص، نیت اور بہترین عمل کرنے کے طریقے معلوم کر سکے۔ علم شریف کی فرض مقدار اتنی ہے کہ تو اس کے ذریعے فرض کی متعینہ مقدار کو سمجھ سکے۔ اور اس کی ادائیگی کے طریقے معلوم کر سکے۔ مثلاً طہارت، نماز وغیرہ۔ اس مقدار سے زیادہ علوم کا حصول فرض کفایہ ہے۔

چھٹی فصل

اھل تصوف[1] کے بیان میں :۔

اہل تصوف کی وجہ تسمیہ یا تو یہ ہے کہ وہ نور معرفت، توحید سے اپنے باطن کا تصفیہ کرتے ہیں۔ یا یہ کہ وہ اصحاب صفہ جیسی (فقیرانہ) زندگی گزارتے ہیں یا پھر یہ کہ وہ صوف (اون) کا لباس زیب تن کرتے ہیں۔ مبتدی بھیڑ کی اون کا لباس پہنتا ہے۔ متوسط بکری کی اون کا اور منتہی پشم کا لباس پہنتا ہے۔ حسب مراتب احوال ان کے باطن کی حالت بھی ایسی ہی ہوتی ہے۔ کھانے پینے میں بھی باہم تفاوت ہوتا ہے۔ تفسیر مجمع البیان کے مصنف لکھتے ہیں : اہل زہد کو چاہیے کہ وہ لباس اور کھانے پینے میں سخت چیزوں کا استعمال کریں۔ اھل معرفت کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ نرم چیزیں استعمال میں لائیں۔ لوگوں کا اپنے مراتب و منازل سے فروتر ہو کر رہنا سنت ہے تا کہ کسی طریقے میں حد سے تجاوز نہ ہو جائے۔ اہل تصوف کی چوتھی وجہ تسمیہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ حضرت احدیت میں پہلی صف کے لوگ ہیں۔

تصوف کا لفظ چار حروف پر مشتمل ہے۔ تاء، صاد، واؤ، فا۔

تا :۔

توبہ کو ظاہر کرتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں، ظاہر کی توبہ اور باطن کی توبہ ظاہر کی توبہ یہ ہے کہ انسان اپنے تمام ظاہری اعضاء کے ساتھ گناہوں اور اخلاق رذیلہ سے اطاعت و انقیاد کی طرف لوٹ آئے اور قولاً و فعلاً مخالفات کو ترک

کر کے موافقات کو اپنا لے۔

باطنی توبہ یہ ہے کہ انسان باطن کے تمام اطوار کے ساتھ مخالفات باطنیہ سے موافقات کی طرف آجائے اور دل کو صاف کر لے۔ جب اخلاق ذمیمہ، اخلاق حسنہ میں تبدیل ہو جائیں تو تاء کا مقام مکمل ہو جاتا ہے۔ اور ایسے شخص کو تائب کہتے ہیں۔

صاد :۔

صفاء کو ظاہر کرتا ہے۔ صفا کی دو قسمیں ہیں۔ صفاء قلبی اور صفاء سری۔

صفاء قلبی تو یہ ہے کہ انسان بشری کدورتوں سے اپنے دل کو صاف کر لے مثلاً کثرت اکل [۲] و شرب، کثرت کلام، کثرت نوم جیسی دل سے تعلق رکھنے والی کدورتیں اور اسی طرح ملاحظات دنیوی مثلاً زیادہ کھانے کی فکر، زیادہ جماع، اہل و عیال کی زیادہ محبت اور اسی طرح کی دوسری نفسانی کدورتیں جن سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا ہے۔

ان کدورتوں سے دل کو صاف کرنا ملازمت ذکر بغیر ممکن نہیں۔ شروع میں مرشد اپنے مرید کو ذکر بالجہر کی تلقین کرے تاکہ وہ مقام حقیقت تک پہنچ جائے جیسا کہ رب قدوس کا ارشاد گرامی ہے۔

اَنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ
(الانفال :2)

"صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل"

یعنی ان کے دلوں میں خشیت پیدا ہو جاتی ہے [۳] ظاہر ہے خشیت صرف اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے کہ دل غفلت کی نیند سے بیدار ہو جائیں۔ اور ذکر خداوندی سے اس کا زنگ اتر جائے۔ خشیت کے بعد خیر و شر جو ابھی تک مخفی ہوتا ہے اس کی صورت دل پر نقش ہو جاتی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے عالم نقش بٹھاتا ہے اور عارف اسے صیقل کرتا ہے۔

رہی صفائے سری تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ماسوا اللہ کو دیکھنے سے اجتناب کرے اور اس کو دل میں جگہ نہ دے۔ اور یہ وصف اسمائے توحید کا لسان باطن سے مسلسل ورد کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ جب یہ تصفیہ حاصل ہو جائے تو صاد کا مقام پورا ہو جاتا ہے۔

واؤ :۔

واو ولایت کو ظاہر کرتی ہے۔ اور ولایت تصفیہ پر مرتب ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ [۴]
(یونس: 62)

"خبر دار! بیشک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے"

ولایت کے نتیجے میں انسان اخلاق خداوندی کے رنگ میں رنگ جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ [۵]

"اخلاق خداوندی کو اپنالو"

یعنی صفات خداوندی سے متصف ہو جاؤ۔ ولایت میں انسان صفات بشری کا چولہ اتار پھینکنے کے بعد صفات خداوندی کی خلعت زیب تن کر لیتا ہے۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اذا احببت عبدا کنت له سمعا وبصرا ویدا ولیسانا فبی یسمع وبی یبصر وبی یبطش و بی ینطق وبی یمشی [۶]

"جب میں کسی بندے کو محبوب بنالیتا ہوں تو اس کے کان، آنکھ، ہاتھ اور زبان بن جاتا ہوں۔ (اس طرح) وہ میری سماعت کے ذریعے سنتا ہے۔ میری بصارت کے ذریعے دیکھتا

ہے۔میری قوت سے پکڑتا ہے میری زبان قدرت سے گفتگو
کرتا ہے اور میرے پاؤں سے چلتا ہے"

جو آدمی اس مقام پر فائز ہو جاتا ہے وہ ماسوای اللہ سے کٹ جاتا ہے۔
جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (الاسراء 81)

"اور آپ (اعلان) فرما دیجئے آگیا ہے حق اور مٹ گیا ہے
باطل۔ بیشک باطل تھا ہی مٹنے والا"

یہاں واؤ کا مقام مکمل ہو جاتا ہے۔

فاء :۔

یہ حرف فناء فی اللہ کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی غیر سے اللہ تعالیٰ میں فنا ہو جانا جب بشری صفات فنا ہو جاتی ہیں تو خدائی صفات باقی رہ جاتی ہیں۔ اور خدائی صفات نہ فنا ہوتی ہیں نہ فساد کا شکار اور نہ زائل ہوتی ہیں۔

پس عبد فانی رب باقی اور اس کی رضا کے ساتھ باقی بن جاتا ہے اور بندۂ فانی کا دل سر ربانی اور اس کی نظر کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص : 88)

"ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے"

یہاں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد اللہ کی رضا اور خوشنودی لی جائے۔ یعنی ساری چیزیں فانی ہیں سوائے ان اعمال صالحہ کے جن کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء اور خوشنودی کے لیے سرانجام دیا جائے۔ پس وہ راضی برضا ہو جاتا ہے اور یہی بقا ہے۔

عمل صالح کا نتیجہ حقیقت انسان کی زندگی ہے جسے طفل معانی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ

(فاطر :10)

"اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور نیک ، عمل پاکیزہ کلام کو بلند کرتا ہے"

ہر وہ کام جو غیر اللہ کے لیے ہو شرک ہے اور شرک کا مرتکب ھلاک ہونے والا ہے۔ جب انسان فناء فی اللہ کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے تو اسے عالم قربت میں بقا حاصل ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ (القمر :55)

"بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے"

عالم لاھوت میں یہی انبیاء واولیاء کے ٹھہرنے کی جگہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ (التوبہ :119)ے

"اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ"

جب حادث قدیم سے مل جاتا ہے تو حادث کا اپنا وجود نہیں رہتا کسی شاعر نے اسی طرف اشادہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

صفات الذات والا فعال طرا

قديمات مصونات الزوال

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اور افعال قدیم ہیں جو زوال پزیر ہونے سے محفوظ ہیں۔

جب فنا تمام ہو جائے تو صوفی حق کے ساتھ ہمیشہ کیلئے باقی بن جاتا ہے[۸] قرآن کریم میں ہے :

اولئك اصحاب الجنة هم فيها خالدون (البقرہ :82)

"وہی جنتی ہیں۔ وہ اس جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں"

حواشی

۱۔ امام قشیریؒ (الرسالہ ص 217-218) فرماتے ہیں کہ ابو محمد جریری سے تصوف کے بارے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: سنت کے مطابق اخلاق اپنالینااور برے اخلاق سے منہ موڑلینا تصوف ہے۔ فرمایا میں نے ابو حمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سنا سچے صوفی کی نشانی یہ ہے کہ وہ غنا کے بعد فقر اختیار کرلے۔ عزت ملنے کے بعد غنیٰ کا اظہار کرے، ذلت کے بعد گردن اکڑالے اور گمنامی کے بعد شہرت کا طالب ہو۔ عمر بن عثمان مکی سے پوچھا گیا کہ تصوف کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ بہتر سے بہتر کی طرف سفر تصوف ہے۔ رویم سے بھی یہی سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا: نفس کی باگ ڈور اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں دے دینا کہ جیسا چاہے اس سے خدمت لے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا تصوف کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا تصوف یہ ہے کہ بغیر کسی غرض کے تو اللہ کی معیت حاصل کرے۔ آپ نے فرمایا: میں نے حضرت رویم کو فرماتے سنا: تصوف تین خصلتوں پر مبنی ہے فقر اختیار کرنا، بذل وایثار پر عمل پیرا ہونا اور اپنی منشا اور ارادے کو ترک کردینا حضرت جنید کا قول ہے تصوف زمین کی مانند ہے جس پر جہان بھر کی گندگی پھینکی جاتی ہے لیکن اس سے جو کچھ نکلتا ہے وہ ملیح اور خوبصورت ہوتا ہے۔ حضرت شبلی نے صوفی کی تعریف میں فرمایا۔ صوفی وہ ہے جو خلق سے تعلق توڑلے اور حق سے واصل ہو جائے۔ میں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے سنا: تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے تجھ سے مردہ کردے اور تجھے اپنے ساتھ زندہ کردے۔ ایک دفعہ آپ نے تصوف کے بارے جواب دیا۔ تصوف یہ ہے کہ تو کسی چیز کا مالک ہو لیکن وہ تیری مالک نہ بن سکے حضرت جنید نے فرمایا تصوف پورے دل و جان سے اللہ کا ذکر کرنا، اللہ تعالیٰ کا نام سنتے ہی وجد کی کیفیت طاری ہو جانا اور سنت کی اتباع میں عمل پیرا ہونا۔ آپ ہی کا ارشاد ہے صوفی زمین کی مانند ہے جسے گستاخ سر دی روندتی ہے اس ابر کی مانند ہے جو ہر چیز پر سایہ فگن ہو جاتا ہے اور ایسی بارش کی طرح ہے جو ہر چیز کو سیراب کرتی ہے۔ حضرت سھل بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو اپنے خون کو ھدر جانے اور اپنی ملک کو مباح سمجھے۔ حضرت نوری کا ارشاد ہے: صوفی کی تعریف یہ

ہے کہ کچھ نہ ہو تو سکون میں ہو اور کچھ ملے تو ایثار کا، طیرہ اختیار کرلے۔ حضرت شبلی فرماتے ہیں۔ تصوف بغیر غم کے اللہ کے ساتھ بیٹھنا ہے۔ حضرت جریری فرماتے ہیں تصوف نام ہے مراقبہ احوال اور لزوم ادب کا۔ حضرت مزین فرماتے ہیں تصوف حق کی فرمانبرداری ہے۔ حضرت ابو تراب نخشبی کا قول ہے صوفی وہ ہے جس کو کوئی چیز مکدر نہ کرے اور اس کے ذریعے ہر چیز صاف ہو جائے۔ ابو الحسن سیروانی کا ارشاد ہے صوفی اوراد سے نہیں واردات سے بنتا ہے۔ ذہبی (الیسرج534/14) حضرت کتانی کے حوالے سے فرماتے ہیں تصوف حسن خلق کا دوسرا نام ہے۔ جو خلق میں تجھ سے جتنا آگے ہوگا تصوف میں اتنا آگے ہوگا۔

۲۔ حاشیہ (ظ) میں آیا ہے کہ ابو سلیمان دارانی نے فرمایا: دنیا کی چابی سیر بطنی ہے اور آخرت کی کنجی بھوک ہے یحیٰ بن معاذ رازی فرماتے ہیں: بھوک نور ہے اور سیر بطنی آگ

۳۔ امام قشیری (الرسالہ ص101-102) فرماتے ہیں کہ ابو القاسم الحکیم کا ارشاد ہے جو شخص کسی چیز سے ڈرتا ہے اس سے دور بھاگتا ہے مگر جو شخص خوف خدا رکھتا ہے وہ اسی کی طرف بھاگتا ہے حضرت بشر حافی کا قول ہے خوف ایک فرشتہ ہے جو صرف پاک دل میں قیام کرتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نوری سے سنا فرمایا کرتے تھے۔ جس شخص کے دل میں اللہ کا خوف ہو وہ اللہ کی طرف سے بھاگ کر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف آتا ہے۔ سلمی (طبقات صوفیہ ص303) واسطی کے حوالے سے فرماتے ہیں خوف اللہ اور بندے کے درمیان حجاب ہے۔ خوف مایوسی ہے اور امید لالچ۔ اگر تو اس سے ڈرے گا تو اُسے بخیل سمجھے گا اور اگر امید لگائے گا تو متہم کر دے گا۔ حاشیہ (ظ) میں آیا ہے کہ خوف گناہ گاروں کے لیے ہے رخصت عابدوں کے لیے، خشیت عالموں کے لیے، وجد اھل مجلس کے لیے اور ھیبت عارفوں کے لیے۔ کیونکہ انکو کوئی خوف نہیں ہوتا جیساکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

الا ان الاولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (یونس :62)

۴۔ حضرت قشیری (الرسالہ ص203) فرماتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خراز نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو جب منصب ولایت پر فائز کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ذکر کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ جب ذکر کی لذت سے اسے کامل آشنائی ہو جاتی ہے تو اس پر قربت کا دروازہ وا کر دیتا ہے۔ پھر اسے مجالس انس پر بلند کرتا ہے۔ پھر اسے

کرسی توحید پر بٹھا دیتا ہے۔ اس کے بعد سامنے سے پردے ہٹا دیتا ہے اور اس کو دار فروانیہ میں داخل کر دیتا ہے۔ یہاں جلالت و عظمت سے پردہ اٹھ جاتا ہے اور آدمی کی نظر جلال و عظمت پر پڑ جاتی ہے جس سے وہ انسان بلا ہوا و ہوس بن جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں بندہ لمحہ فانی بن جاتا ہے اللہ کی حفظ و امان میں چلا جاتا ہے۔ اور دعوی نفس سے بری ہو جاتا ہے۔

۵۔ یہ الفاظ ہمیں نہیں ملے ھیثمی نے (المجمع جلد :8 ص20) حضرت عمار بن یاسر کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''حُسْنُ الْخُلُقَ خُلُقُ اللّٰہِ الْاَعْظَمُ'' اسے طبرانی نے بھی 'اوسط کبیر'' میں نقل کیا ہے۔

۶۔ کتاب الاحادیث القدسیہ ص 81-84 امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی (صحیح البخاری۔ کتاب الرفاق باب التواضع) حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ ایسی ہی ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے میرے ولی سے دشمنی رکھی میں نے اس کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا میں نے اپنے بندوں پر جو فرض عائد کیے ہیں ان کی نسبت کوئی چیز مجھے محبوب نہیں کہ وہ ان کے ذریعے میرا قرب حاصل کریں۔ بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا جاتا ہے حتی کہ میرا محبوب بن جاتا ہے اور جب میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں اس کی سمع بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو اسے ضرور عطا کرتا ہوں۔ اگر میری پناہ طلب کرے تو اسے اپنی پناہ میں لے لیتا ہوں۔ میں جو کام بھی کرتا ہوں تردد نہیں ہوتا سوائے مؤمن کی جان کے کیونکہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی اس ناپسندیدگی کو ناپسند کرتا ہوں۔

۷۔ نسخوں میں واللہ مع الصادقین لکھا ہوا ہے۔ یہ آیت نہیں بلکہ نصیحت ہے۔

۸۔ حضرت قشیری (الرسالہ ص 217) فرماتے ہیں کہ حضرت جنید سے پوچھا گیا تصوف کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ تجھے بلا علاقہ اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہو۔

ساتویں فصل

ذکرواذکار کے بارے میں :۔

اللہ تعالیٰ ذکر کرنے والوں کی رہنمائی کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدَاكُمْ (البقرہ 198)[1]

"اور ذکر کرواس کا جس طرح اس نے تمہیں ہدایت دی"

یعنی اللہ تعالیٰ کا اس طرح ذکر کرو جس طرح اس نے تمہارے ذکر کے مراتب کی طرف تمہاری رہنمائی فرمائی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

اَفْضَلُ مَااَقُوْلُ اَنَاوَمَا قَالَهُ النَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِي لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ[2]

بہترین کلمہ وہ ہے جس کا ورد میں کرتا ہوں اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کرتے رہے ہیں۔وہ کلمہ لاالٰہ الااللہ ہے۔

ذکر کے ہر مقام کا ایک خاص مرتبہ ہے خواہ ذکر جھری ہو یا خفی ہو۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی زبانی ذکر کی طرف رہنمائی کی ہے۔ پھر ذکر نفس ہے پھر ذکر قلب ،ذکر روح ،ذکر سر ،ذکر خفی اور آخر میں ذکر اخفی الخفی کا مرتبہ ہے۔

لسانی ذکر :۔

گویا دل کو بھولا ہوا سبق یاد کرانا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھول چکا تھا اس ذکر کے ساتھ اس کو یہ بھولا ہوا سبق یاد آجائے گا۔

ذکر نفس :۔

یہ ذکر سنائی نہیں دیتا اور اس میں حرف وصوت پائے جاتے ہیں ہاں یہ باطن میں حس وحرکت کے ذریعے سنائی دیتا ہے۔

ذکر قلبی :۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ دل اپنی تہہ میں اللہ کے جلال وجمال کو ملاحظہ کرے۔

ذکر روحی :۔

(صرف روح ذکر کرتی ہے) اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تجلیات صفات کے انوار مشاہدہ میں آنے لگتے ہیں۔

ذکر سرّی :۔

اس سے مراد اسرار الٰہی کے مکاشفہ کے لیے مراقبہ کرنا ہے۔

ذکر خفی :۔

مقصد صدق میں جمال ذات احدیت کے انوار کا معاقبہ ذکر خفی ہے۔

ذکر اخفی الخفی :۔

حق الیقین کی حقیقت پر نظر رکھنا ذکر اخفی الخفی ہے۔ اس ذکر سے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی مطلع نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى (طہ :7)

"وہ تو بلاشبہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور دل کے بھیدوں کو بھی"

ذکر کی یہ صورت تمام عالموں تک پہنچنے والی اور تمام مقاصد کو پانے والی ہے [۳] یاد رہے کہ ایک اور روح بھی ہے۔ روح کی یہ قسم تمام ارواح سے زیادہ لطیف ہے۔ اسی دوسری روح کا نام طفل معانی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک خاص عطیہ ہے جو

بندے کو ان اطوار کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے۔ عرفاء فرماتے ہیں کہ یہ روح ہر ایک کو نہیں ملتی بلکہ صرف خواص کو دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ
(غافر: 15)

"نازل فرماتا ہے وحی اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے"

یہ روح ہمیشہ عالم قدرت میں رہتی ہے اور عالم حقیقت کا اس طرح مشاہدہ کرتی ہے کہ اس کی نظر غیر کی طرف کبھی ملتفت نہیں ہوتی جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلدُّنْيَا حَرَامٌ عَلٰى اَهْلِ الْآخِرَةِ وَالْآخِرَةُ حَرَامٌ عَلٰى اَهْلِ الدُّنْيَا وَهُمَا حَرَامَانِ عَلٰى اَهْلِ اللّٰهِ

"دنیا اہل آخرت پر حرام ہے اور آخرت اہل دنیا پر حرام۔ اور یہ دونوں (دنیا و آخرت) اللہ والوں پر حرام ہیں"

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ جسم صبح و شام شریعت مطہرہ کی پابندی کر کے صراط مستقیم پر گامزن رہے طالبان حقیقت پر فرض عین ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ کی یاد میں رہیں جیسا کہ اللہ کریم کا ارشاد ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ (آل عمران: 191)

"وہ عقل مند جو یاد کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اور غور کرتے رہتے ہیں"

آیت کریمہ میں قیام سے مراد دن ہے قعود سے مراد رات ہے اور جنوب سے مراد یہ ہے کہ قبض، بسط، صحت، بیماری، غنی، فقر، تنگی و ترشی ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔

حواشی

۱۔ نسخوں میں "فاذ کر اللہ کماھد اکم" لکھا ہوا ہے جو کہ تصحیف ہے۔

۲۔ منذری (الترغیب والترھیب جلد :2 ص 401) فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ھریرہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے ابن آدم! جب تو مجھے یاد کرتا ہے تو میرا شکر بجالاتا ہے اور جب مجھے بھول جاتا ہے تو میرا کفر کرتا ہے" منذری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو طبرانی نے "الاوسط" میں روایت کیا ہے۔ امام قشیری (الرسالہ ص 173) فرماتے ہیں۔ میں نے استاد ابو علی دقاق سے سنا فرماتے تھے۔ ذکر ولایت کا منشور ہے۔ جسے ذکر کی توفیق ارزانی ہوئی اسے ولایت کا منشور مل گیا۔ اور جس سے ذکر کی سعادت سلب ہو گئی تو وہ معزول ہو گیا۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے الجامع الصحیح کتاب الدعوات باب ماجاء فی الدعاء یوم عرفہ میں بیان فرمایا۔ اس کے راوی عمرو بن شعیب ہیں۔ وہ اپنے والد سے وہ اسے دادا رضی اللہ عنہ سے اسی سے ملتے جلتے لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔ اسے امام مالک نے "الموطا" کتاب القرآن۔ باب ماجاء فی الدعاء میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن کریز رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے۔ افضل الدعاء دعاء یوم عرفۃ کوافضل ماقلت انا والنبیون من قبلی الااله لا الله وحده لا شريك له ابن کثیر کی جامع الاصول کو دیکھیے۔

۳۔ ابن منظور (مختصر تاریخ مدینۃ دمشق جلد :8 ص 249) فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن بکر کا قول ہے۔ میں نے ذوالنون مصری رحمۃ اللہ کو فرماتے سنا جس نے اللہ تعالیٰ کا اس حال میں ذکر کیا کہ وہ حقیقت میں ذاکر تھا تو وہ ارد گرد کو بھول گیا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے اس کی حفاظت فرمائی اور ہر چیز سے اسے عوض مل گیا سلمی (طبقات صوفیہ ص 477) فرماتے ہیں کہ ابو العباس دینوری کا قول ہے ادنی ذکر یہ ہے کہ انسان غیر کو بھول جائے۔ اعلیٰ ذکر یہ ہے کہ ذاکر ذکر میں ذکر کو بھی بھول جائے اور صرف مذکور (اللہ تعالیٰ) میں گم ہو جائے اور پھر ذکر کی طرف واپس نہ آئے۔ یہ فناء الفناء ہے۔ امام قشیری (الرسالہ ص 173) فرماتے ہیں ذکر بالقلب مریدین کی تلوار ہے حاشیہ (ظ) میں آیا ہے کہ محمود آفندی اسکداری فرماتے ہیں کہ ذکر یہ ہے کہ ذاکر مذکور میں فنا ہو جائے اور اسی میں مستغرق رہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ قلبی ذکر زبانی ذکر سے ستر گنا زیادہ ثواب کا حامل ہے۔

۴۔ اس حدیث کو دیلمی نے "الفردوس" نمبر 3110 ذکر کیا ہے سیوطی نے "الجامع الصغیر" نمبر 4269 میں نقل کر کے اسے حسن قرار دیا ہے۔ مناوی (فیض القدیر جلد: 3 ص 544 پر لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں جبلہ بن سلیمان ہے جس کے بارے ذھبی نے (میزان الاعتدال جلد اول ص 386) لکھا ہے کہ بقول ابن معین کے یہ ثقہ نہیں ہے۔

دنیا اہل آخرت پر اور آخرت اھل دنیا کے لیے ممنوع ہے کیونکہ جو دنیا کے معاش سے فائدہ اٹھاتا ہے وہ آخرت کیلئے زیادہ نیک اعمال کر سکتا ہے اور جو متاع دنیا میں وسعت حاصل کر لیتا ہے وہ عمل آخرت میں وسعت پر قادر نہیں ہوتا کیونکہ یہ دونوں چیزیں متضاد ہیں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس کے دل میں دنیا اور اللہ تعالٰی دونوں کی محبت جمع ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ دنیا اور آخرت اہل اللہ پر ممنوع ہیں کیونکہ عامۃ المؤمنین کی جنت وہ جنت ہے جو نیک اعمال کرنے والوں کو دی جائے گی مگر عارفین کیلئے ایک اور جنت ہے جو وھبی جنت ہے۔ اہل موہبت اللہ سے اس طرح ڈرتے ہیں جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ نہ انہیں جہنم کی آگ کا خوف دامن گیر ہوتا ہے اور نہ جنت کی لالچ۔ ان کی جنت اللہ کریم کے جمال کا دیدار ہے اور جہنم اللہ کے دیدار سے محرومی ہے یہی عذاب ہے ان کے لیے اور حجابات کا اٹھ جانا سب سے بڑی جنت ہے بایزید بسطامی فرماتے ہیں جنت میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں اگر کی آنکھ سے ایک پل بھی دیدار کی نعمت چھن جائے تو وہ جنت سے پناہ مانگنے لگیں جس طرح اہل جہنم آگ سے پناہ مانگتے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہل اللہ پر دنیا اور آخرت دونوں کو حرام کر دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

آٹھویں فصل

شرائط ذکر:۔

ذکر کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اچھی طرح وضو کرے۔ ذکر کرتے ہوئے (نفی واثبات کی) ضرب سخت لگائے اور آواز میں قوت پیدا کرے تاکہ انوار ذکر اس کے باطن میں پہنچ جائیں۔ اور ان انوار کے ذریعے اس کا دل حیات ابدی اخروی حاصل کر لے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لا یذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولیٰ (الدخان :56)

"نہ چکھیں گے وہاں موت کا ذائقہ بجز اس پہلی موت کے"

اسی طرح حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

الا نبیاء والا ولیاء یصلون فی قبورھم کما یصلون فی بیوتھم[1]

"انبیاء واولیاء اپنی قبروں میں اسی طرح نماز ادا کرتے ہیں جس طرح اپنے گھروں میں نماز ادا کرتے تھے"

یعنی وہ ہمیشہ اپنے رب سے مناجات کرتے رہتے ہیں۔ یہاں ظاہری نماز مراد نہیں ہے۔ جس میں قیام۔ رکوع، سجود اور قعدہ ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد بندہ کا اپنے رب سے مناجات کرنا اور رب کی طرف سے مناجات کے صلہ میں اپنی معرفت عطا کرنا ہے۔ پس عارف اپنی قبر میں احرام باندھے اپنے رب کی طرف محو سفر رہتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ[2]
"نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے"
پس جس طرح زندہ دل نہیں سوتا اسی طرح وہ مرتا بھی نہیں ہے[3] حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔

تَنَامُ عَیْنِیْ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ[4]
"میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا"

مَنْ مَاتَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ بَعَثَ اللّٰہُ فِیْ قَبْرِہٖ مَلَکَیْنِ یُعَلِّمَانِہٖ عِلْمَ الْمَعْرِفَۃِ وَقَامَ مِنْ قَبْرِہٖ عَالِمًا وَعَارِفًا[5]
"جو علم حاصل کرتے ہوئے فوت ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کی قبر میں دو فرشتے بھیجتا ہے جو اسے علم معرفت کی تعلیم دیتے ہیں اور ایسا شخص اپنی قبر سے عالم اور عارف بن کر اٹھے گا"

دو فرشتوں سے مراد نبی کریم علیہ السلام اور ولی علیہ الرحمۃ کی روحانیت ہے کیونکہ فرشتے عالم معرفت میں داخل نہیں ہو سکتے اور نہ وہ تعلیم دے سکتے ہیں۔ نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔

کَمْ مِنْ رَجُلٍ مَاتَ جَاهِلًا وَقَامَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَالِمًا وَعَارِفًا. وَکَمْ مِنْ رَجُلٍ مَاتَ عَالِمًا وَقَامَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ جَاهِلًا وَمُفْلِسًا[6]
"کتنے ہی ایسے آدمی ہیں جو جاہل مریں گے لیکن قیامت کے دن عالم اور عارف بن کر اٹھیں گے اور کتنے ہی عالم مرنے والے قیامت کے دن جاہل اور کنگال بن کر اٹھیں گے"

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اَذْهَبْتُمْ طَیِّبَاتِکُمْ فِیْ حَیَاتِکُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَسْتَکْبِرُوْنَ (الاحقاف: 20)

"تم نے ختم کر دیا تھا اپنی نعمتوں کا حصہ اپنی دنیوی زندگی میں اور خوب لطف اٹھالیا تھا تم نے ان سے۔ آج تمہیں رسوائی کا عذاب دیا جائے گا بوجہ اس گھمنڈ کے جو تم کیا کرتے تھے"

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ [۷]

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے"

حضور ﷺ کی ایک اور حدیث مبارکہ ہے۔

نِیَّةُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مَنْ عَمَلِهٖ وَنِیَّةُ الفَاسِقِ شَرٌّ مِنْ عَمَلِهٖ [۸]

"مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور فاسق کی نیت اس کے عمل سے بھی بری ہے"

کیونکہ نیت اعمال کی بنیاد ہے جیسا کہ ابھی حدیث گزری ہے۔ ظاہر ہے صحیح بنیاد ہو گی تو اس پر جو عمارت کھڑی ہو گی وہ بھی صحیح ہو گی اور اگر بنیاد میں فساد ہو گا تو پوری عمارت میں یہ فساد آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے

مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِیْ حَرْثِهٖ وَمَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَالَهٗ فِی الْآخِرَةِ مِنْ نَّصِیْبٍ (الشوری :20)

"جو طلب گار ہو آخرت کی کھیتی کا تو ہم (اپنے فضل و کرم سے) اس کی کھیتی کو اور بڑھا دیں گے اور جو شخص خواہشمند ہے (صرف) دنیا کی کھیتی کا ہم اسے دیں گے اس سے اور نہیں ہو گا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ"

انسان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس دنیا میں اہل تلقین (مرشد) سے حیات قلبی اخروی طلب کرے۔ قریب ہے کہ وقت گزر جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا بِاَعْمَالِ الْآخِرَةِ فَلَا نَصِيْبَ لَهٗ فِی الْآخِرَةِ[۹]

"جس نے اعمال آخرت کے ذریعے دنیا طلب کی اس کا آخرت (کی نعمتوں) میں کوئی حصہ نہیں ہوگا"

دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ جو یہاں نہیں بوئے گا وہاں کچھ حاصل نہیں کر پائے گا یہاں کھیتی سے مراد وجود کی زمین ہے آفاق کی نہیں۔

حواشی

۱۔ ہمیں یہ الفاظ نہیں مل سکے۔ ایک اور حدیث اس کی شاہد ہے جسے ابو یعلی نے اپنی مسند میں جلد ششم ص 147 پر نقل کیا ہے۔ اس کے راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "انبیاء اپنی قبروں میں زندہ نماز ادا کرتے ہیں" اسے ھیثمی نے "المجمع" جلد 8 ص 211 پر نقل کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابو یعلی اور بزاز نے روایت کیا ہے اور ابو یعلی کے روایات ثقہ ہیں۔ اسے کشف الاسرار جلد سوم ص 100، دیلمی کی الفردوس ص 403 سخاوی کی القول البدیع ص 225-247 میں نقل کیا گیا ہے۔ القول البدیع پر برادرم شیخ بشیر محمد عیون کی تحقیق قابل ملاحظہ ہے۔

۲۔ یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے جسے امام مالک نے "المؤطا" کتاب الصلوۃ باب: العمل فی القرآۃ میں حضرت بیاضی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے "رسول کریم ﷺ نے کاشانہ اقدس سے باہر آکر دیکھا تو لوگ نماز پڑھ رہے تھے اور قرأت میں ان کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے۔ پس اسے دیکھنا چاہیے کہ کیا کہہ رہا ہے۔ ایک دوسرے سے آواز بلند کر کے قرآن پڑھنے کی کوشش نہ کرو" امام سیوطی (تنویر الحوالک" ج 1/ 102) فرماتے ہیں کہ حدیث میں جو یہ کہا گیا ہے کہ "نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے" تو یہ نماز کے معنی سے خبردار رہنے پر تنبیہ ہے۔ تاکہ انسان ایسے ناپسندیدہ حرکات سے احتراز کرے جو نماز میں نقص کا باعث بنتی ہیں اور ایسے اعمال کو بجالائے جو اس کی تکمیل کا باعث بنتے ہیں۔ "آواز بلند نہ کرو"

کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ دوسرے لوگوں کو تکلیف نہ ہو اور وہ باسانی نماز پڑھ سکیں اور توجہ مبذول کر سکیں۔

۳۔ ابن حجر (الدرایہ ج1/ 182-183) فرماتے ہیں ابن حبان نے عباد بن کثیر رملی کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ نمازی کے سر پر خیر بکھری ہوتی ہے آسمان سے لیکر کھوپڑی تک اور فرشتے اس کے قدموں سے آسمان تک اسے گھیرے ہوتے ہیں ایک فرشتہ بلند آواز سے اعلان کرتا ہے۔ اگر نمازی بندہ جانتا کہ وہ کس سے گفتگو کر رہا ہے تو ادھر ادھر توجہ نہ کرتا۔ اس حدیث کے روای حضرت حسن ہیں انہوں نے انس بن مالک سے اور انہوں نے اسے مرفوع روایت کیا ہے (المجروحین! ابن حبان ج 170/2) امام بخاری (صحیح صفۃ الصلوٰۃ باب الالتفات فی الصلوٰۃ) نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم ﷺ سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا وسوسہ اندازی ہے۔ شیطان نماز میں بندے کے دل میں اس کا خیال ڈالتا ہے۔

۴۔ صحیح البخاری کتاب المناقب باب کان النبی تنام عینہ ولا ینام قلبہ غیر حدیث 3376 حضرت عائشہ راوی ہیں جامع الاصول۔ از۔ ابن کثیر ج6/ 93 دیکھے

۵۔ یہ حدیث ہمیں نہیں ملی۔

۶۔ یہ حدیث ہمیں نہیں مل سکی

۷۔ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے دیکھیے (الصحیح للبخاری۔ کتاب بدء الوحی۔ باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ) حضرت ابن حجر اپنی کتاب الفتح۔ ج1/ 18 میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جب تک کسی کام کے بارے حکم معلوم نہ ہو جائے اسے شروع کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث سے واضح ہے کہ جب کوئی عمل نیت سے خالی ہو تو وہ کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اور جب تک کسی کام کے بارے حکم معلوم نہ ہو جائے نیت صحیح ہو ہی نہیں سکتی۔ امام نووی فرماتے ہیں (شرح صحیح مسلم ج53/13) مسلمانوں کا اس حدیث کے عظیم واقع ہونے پر اتفاق ہے۔ سب اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ یہ حدیث کئی فوائد کی حامل ہے اور صحیح ہے۔ امام شافعی اور کئی دوسرے بزرگوں کا ارشاد ہے یہ حدیث تہائی اسلام ہے عبدالرحمٰن مھدی وغیرہ فرماتے ہیں کہ مصنفین کو چاہیے کہ کتاب کی

ابتداء میں یہ ابن اثیر ج 555/11

۸۔ زرکشی "اللآلی" ص 65 پر لکھتے ہیں کہ یہ ایک حدیث کا پہلا ٹکڑا ہے جسے بیہقی نے شعب الایمان میں یوسف بن عطیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے انہوں نے یہ حدیث ثابت سے، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ عسکری نے اسے اس سند سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ دیلمی (الفردوس نمبر 6842) سھل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں "مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتا ہے اور منافق کا عمل اس کی نیت سے بہتر ہوتی ہے۔ ہر ایک اپنی نیت کے مطابق عمل بجالاتا ہے جب مؤمن کوئی کام کرتا ہے تو اس کے دل میں نور چھا جاتا ہے" مناوی رحمۃ (فیض القدیر۔ ج 292/6) فرماتے ہیں کہ حکیم کا فرمان ہے نیت دل کا اللہ کی طرف اٹھنا ہے پہلے دل میں ایک خیال گزرتا ہے۔ پھر مشیت کارفرما ہوتی ہے۔ پھر ارادہ بنتا ہے پھر انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کام کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے پھر اس کے بعد واصل بحق ہو جاتا ہے انسان اپنی عقل فکر اور عزم وہمت کو کام میں لاتا ہے تو نیت مکمل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد پھر انسان ارکان کی ادائیگی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے جوارح پر فعل ظاہر ہوتا ہے جب عزم صحیح ہو تو تمام اعمال میں نمود ونمائش اور ریاء وانا ختم ہو جاتی ہے اور انسان رضا کے مقام پر پہنچ جاتا ہے

۹۔ عجلونی (الکشف ج ۲/۲۴۳) فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ طبرانی نے اسے "الکبیر" ج 268/2 میں جارود بن عمرو سے روایت کیا ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ من طلب الدنیا بعمل الآخرۃ طمس وجھہ ومحق ذکرہ واثبت اسمہ فی النار جس نے آخرت کے عمل کے ذریعے دنیا کی طلب کی اس کا چہرہ خاک آلود ہوا۔ اس کا ذکر مٹ گیا اور اس کا نام جہنمیوں میں لکھ دیا گیا" حضرت ھیثمی فرماتے ہیں بعض راوی ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں کچھ نہیں جانتا دیکھیے المجمع 22/10)

نویں فصل

دیدار الٰہی :۔

دیدار الٰہی کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) آخرت میں آئینہ دل کی وساطت کے بغیر اللہ تعالیٰ کے جمال کا دیدار[1] کرنا اور (۲) دنیا میں آئینہ دل پر صفات خداوندی کا عکس ملاحظہ کرنا۔ دنیا میں دیدار دل کی آنکھ سے ہے۔ اور اس میں صفات خداوندی کا عکس آئینہ دل پر پڑتا ہے تو انسان دل کی آنکھ سے اس عکس کا مشاہدہ کرتا ہے۔ رب قدوس کا ارشاد گرمی ہے۔

مَاكَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰى (النجم: 11)

"نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ) نے"

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلْمُؤْمَنُ مَرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ[2]

"مؤمن مؤمن کا آئینہ ہے"

پہلے مؤمن سے مراد بندہ مؤمن کا دل ہے جبکہ دوسرے مؤمن سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔

اَلسَّلامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ (الحشر: 23)

"سلامت رکھنے والا، امان بخشنے والا نگہبان"

جس نے دنیا میں صفات خداوندی کا دیدار کر لیا وہ بلا کیف آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے دیدار کا شرف حاصل کرے گا۔ رہے وہ دعوے جو اولیاء

کرام علیھم الرحمۃ نے دیدار خداوندی کے بارے کیے ہیں۔ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے دل نے میرے رب کا دیدار کیا۔ یعنی میرے رب کے نور کے ذریعے۔ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ نے فرمایا۔

میں ایسے خدا کی عبادت نہیں کروں گا جسے میں نے دیکھا نہ ہو۔ ان تمام دعوؤں کو مشاہدہ صفات پر محمول کریں گے۔ پس جو شخص شیشے میں سورج کا عکس دیکھے وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے سورج دیکھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے نور کو باعتبار صفات مشکوٰۃ سے تشبیہ دیتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے

كَمِشكوٰةٍ فِيْهَا مِصبَاحٌ (النور :35)

"جیسے ایک طاق ہو جس میں چراغ ہو"

صوفیاء فرماتے ہیں طاق سے مراد بندۂ مؤمن کا دل ہے اور المصباح یعنی چراغ باطن کی آنکھ ہے۔ یہی روح سلطانی ہے اور شیشے سے مراد جان ہے اس کی صفت دریت ہے جو شدت نورانیت کو ظاہر کرتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس نور کے معدن وماخذ کا تذکرہ فرماتا ہے۔

يُوْقِدُمِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ (نور :35)

"جو روشن کیا گیا ہے برکت والے زیتون کے درخت سے"

یہاں درخت سے مراد تلقین کا درخت ہے (بوٹی جو مرشد دل کی زمین میں بوتا ہے) توحید خاص کا صدور زبان قدس سے بلاواسطہ ہوتا ہے جس طرح حضور علیہ ﷺ کا قرآن کریم سے اصل تعلق ہے۔ پھر یہ قرآن حضرت جبرئیل علیہ السلام کی وساطت سے تدریجاً نازل ہوتا رہا۔ دوبارہ نزول بذریعہ جبرائیل عوام کے فائدہ کے لیے تھا۔ اور اس لیے بھی کہ کافر و منافق اس کا انکار نہ کر سکیں۔ اس پر دلیل رب قدوس کا یہ فرمان مبارک ہے۔

لَتَلَقَّى الْقُرْآنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ (النمل :6)

"اور بیشک آپ کو سکھایا جاتا ہے قرآن حکیم بڑے دانا سب کچھ جاننے والے کی جانب سے"

اسی لیے حضور ﷺ پہلے ہی ایک قانون مرتب فرماتے اور اس کے بعد جبرائیل امین وحی لیکر حاضر ہوتے۔ حتیٰ کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَلَاتَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰی اِلَیْكَ وَحْیُهٗ
(طٰہٰ :114)

"اور نہ عجلت کیجیئے قرآن کے پڑھنے میں اس سے پہلے کہ پوری ہو جائے آپ کی طرف اس کی وحی"

یہی وجہ تھی کہ معراج کی رات جبرائیل امین سدرۃ المنتہیٰ پر رک گئے اور ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا سکے۔

اللہ تعالیٰ نے درخت کی توصیف کی اور فرمایا:

لَاشَرْقِیَّةٍ وَّلَاغَرْبِیَّةٍ(النور :35)

"جو نہ شرقی ہے نہ غربی ہے"

اسے حدوث، عدم، طلوع و غروب معارض نہیں آتے بلکہ یہ درخت ازلی ہے کبھی زائل نہیں ہوا۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ قدیم ہے، ازلی اور ابدی ہے۔ کیونکہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کا نور اور تجلیات ہیں۔ اور یہ ایک نسبت ہے جو اس کی ذات سے قائم ہے۔ ناممکن نہیں کہ نفس کا حجاب دل کے چہرے سے ہٹ جائے۔ دل ان انوار کے عکس سے زندہ ہو جائے اور روح اس طاق سے صفات حق کا مشاہدہ کرے۔ کیونکہ تخلیق کائنات کا اصل مقصد بھی اسی مخفی خزانہ کو عیاں کرنا ہے جیسا کہ شعر گزر چکا ہے۔ [۳]

رہا ذات خداوندی کا دیدار تو وہ صرف آخرت میں ہوگا اور بلا واسطہ ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ دیدار باطن کی آنکھ سے ہوگا جسے طفل معانی بھی کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ (القیامۃ :22)

"کئی چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کے (انوار و جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے"

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

رأیت ربی علیٰ صورۃ شاب امرد [۴]

''میں نے اپنے رب کا ایک بے ریش نوجوان کی صورت میں دیدار کیا''

شاید اس ارشاد گرامی میں نوجوان سے مراد طفل معانی ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں آئینہ روح پر بلا کسی واسطے کے تجلی فرمائی ہو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو صورت، مادہ، جسم کے خواص سے پاک ہے۔ صورت دکھائی دینے والے کے لیے آئینہ ہے۔ وہ نہ تو خود شیشہ ہے اور نہ خود دیکھنے والا ہے۔ پس اس نکتے کو سمجھنے کی کوشش کیجیے یہ بہت گہرا راز ہے۔ صفات کا انعکاس عالم صفات میں ہے عالم ذات میں نہیں کیونکہ عالم ذات میں تو سارے واسطے جل جاتے ہیں اور محو ہو جاتے ہیں وہاں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سما سکتی ہے کوئی غیر نہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عَرَفْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ [۵]

''میں نے اپنے رب کو، اپنے رب کے ذریعے پہچانا''

یعنی اپنے رب کے نور کے ذریعے۔

حقیقت انسان نے اسی نور کے لیے محرم ہے جیسا کہ حدیث قدسی ہے۔

اَلْاِنسانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ [۶]

''انسان میرا راز ہے اور میں اس کا راز ہوں''

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَنَا مِنَ اللّٰہِ تَعَالیٰ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّیْ [۷]

''میں اللہ تعالیٰ سے ہوں۔ اور مؤمن مجھ سے ہیں''

ایک اور حدیث قدسی ہے۔

خَلَقْتُ مُحَمَّدًا مِنْ نُوْرِ وَجْھِیْ [۸]

''میں نے محمد (ﷺ) کو اپنی ذات کے نور سے پیدا کیا''

یہاں مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ ہے جو صفات رحمت میں تجلی فرماتی ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سبقت رحمتی غضبی۹

"میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی"

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ سے ارشاد فرمایا

وَمَا اَرۡسَلۡنَاکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعَالَمِیۡنَ (الانبیاء : 107)۱۰

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو، مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لیے"

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

قَدۡ جَاءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیۡنٌ (المائدہ : 15)

"بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور اور ایک کتاب ظاہر کرنے والی"

اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتے ہیں۔

لَوۡلَاکَ لَمَا خَلَقۡتُ الۡاَفۡلَاکَ۱۱

"اگر آپ (مقصود) نہ ہوتے، تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا"

حواشی

۱۔ صحیح مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب اثبات رویۃ المؤمنین فی الآخرۃ ربھم سبحانہ وتعالیٰ 297 حضرت صہیب رومی سے روایت ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کیا تمہیں کچھ اور چاہیے؟ تو وہ کہیں گے۔ کیا تو نے ہمارے چہروں کو روشنی نہیں بخشی؟۔ کیا تو نے ہمیں جنت عطا نہیں فرمائی؟ کیا تو نے ہمیں جہنم سے نجات نہیں دی؟ حضور ﷺ نے فرمایا رب قدوس حجاب سرکادے گا۔ نعمت دیدار سے زیادہ پسندیدہ چیز انہیں کوئی اور نہیں ملی ہوگی۔ دیکھیے جامع الاصول از ابن اثیر ج 510/10

۲۔ اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

۳۔ صفات الذات والا فعال طرا قدیمات مصونات الزوال

اللہ تعالیٰ کی ذات اور افعال تمام کے تمام قدیم ہیں اور زوال سے محفوظ ہیں

۴۔ اسے سیوطی نے "اللآلی" ج اول ص 30 پر حضرت ابن عباس سے مرفوعاذ کر کیا ہے۔ ابی زرعہ سے ابن صدقہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس کی اس حدیث کا انکار معتزلہ کے سواء کوئی نہیں کرتا۔ بعض روایات میں "بفؤادہ" کے الفاظ ہیں۔ اگر حدیث کو خواب پر محمول کریں تو کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا اگر بیداری پر محمول کریں تو؟ ابن الھمام جواب دیتے ہیں کہ یہ صورت کا حجاب ہے۔ شاید اس گفتگو سے مدعا تجلی صوری ہو۔ بہر حال اسے تجلی حقیقی پر محمول کرنا محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی کئی صورتیں ہیں کچھ تجلیات ذاتی ہوتی ہیں اور کچھ صفاتی۔ اسی طرح قدرت کاملہ اور قوت شاملہ میں اسے فرشتوں کی نسبت بہت زیادہ برتری ہے۔ وہ مختلف صورتیں اور ھیئات میں جلوہ گر ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ جسم صورت اور جہات سے پاک ہے اپنی ذات کے اعتبار سے۔ یہ فرمان ملا علی قاری کا ہے دیکھیے "الاسرار المرفوعہ" ص 209 واللہ اعلم

۵۔ یہ حدیث ہمیں نہیں ملی۔ ایک کتاب میں اسے حضرت عمر کی طرف منسوب کیا گیا ہے

۶۔ یہ حدیث ہمیں نہیں مل سکی۔

۷۔ اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

۸۔ اس کی تخریج بھی پہلے ہو چکی ہے

۹۔ یہ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے (صحیح بخاری التوحید باب: قول اللہ تعالیٰ (بل ھو اقرآن مجید۔ فی لوح محفوظ (البروج 85/21-22) نمبر حدیث 7114-7115) یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں "جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تخلیق کا فیصلہ کیا تو اپنے پاس ایک کتاب میں لکھا غالب آ گئی یا فرمایا۔ سبقت لے گئی میری رحمت میرے غضب پر۔ وہ کتاب عرش پر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس حدیث کے دوسرے شواھد موجود ہیں۔ دیکھئے۔ صحیح مسلم کتاب التوبہ باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ وانھا سبقت غضبہ نمبر حدیث 2751 مزید دیکھے ابن اثیر کی "جامع الاصول" جلد چہارم ص 518-519 نووی شرح صحیح مسلم جلد ستر ص 68 پہ لکھتے ہیں کہ علماء کا ارشاد ہے غضب خداوندی اور رضاء خداوندی سے مقصود اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے جب اس

کاارادہ بندے کے نفع سے متعلق ہوتا ہے تواسے رحمت اور رضا کہتے ہیں اور جب گناہ گار کو عذاب اور ذلیل وخوار کرنے سے متعلق ہوتا ہے تواسے غضب کہتے ہیں۔اور ارادہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو قدیم ہے۔اس سے وہ تمام چیزوں کا ارادہ فرماتا ہے۔علماء نے کہاہے کہ حدیث میں لفظ سبقت اور غلبہ سے مراد رحمت کی کثرت اور وسعت ہے

۱۰۔ حاشیہ (ظ) میں مذکور ہے کہ ابوبکر بن طاہر نے فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو رحمت کی صفت سے آراستہ فرمایا۔پس آپ کا وجود سراپا رحمت قرار پایا۔آپ کے تمام شمائل اور صفات مخلوق پر رحمت ہیں۔پس جس کسی کو آپ کی رحمت سے فیض حاصل ہوا وہ دارین میں ہر ناپسندیدہ چیز سے نجات پا گیا۔کیا دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وما ارسلناك الا رحمة للعالمين ۔ آپ ﷺ کی حیات بھی مبارک رحمت اور آپ کی وفات بھی رحمت ہے۔ جیسا کہ ہیثمی نے "کشف الاسرار" کتاب الجنائز باب ما یحصل لامتہ منہ فی حیاتہ وبعد وفاتہ ص 845 پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے ایسے فرشتے بھی ہیں جو زمین میں سیر کرتے ہیں اور مجھ تک میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں حضور نے فرمایا: "میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے تم باتیں کرتے ہو اور تم سے باتیں کی جاتی ہیں۔اور میرا وصال بھی تمہارے لیے بہتر ہے۔مجھ پر تمہارے اعمال پیش ہوں گے۔میں جو بھلائی دیکھوں گا اس پر اللہ کی حمد وثنا کروں گا اور جو برائی دیکھوں گا اس پر اللہ تعالیٰ کی جناب میں تمہارے لیے استغفار کروں گا۔

۱۱۔ اسے ملا علی قاری نے "الاسرار المرفوعہ" ص 385 میں نقل فرمایا ہے۔ صغانی نے "الموضوعات" ص 78 پر اسے نقل کیا ہے۔اس حدیث کی شاہد دیلمی کی وہ حدیث ہے جسے انہوں نے "الفردوس" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے مرفوعا ذکر کیا ہے۔ "میرے پاس جبریل امین آئے اور کہنے لگے۔اے محمد! ﷺ "اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت کو پیدا نہ کرتا۔اگر آپ نہ ہوتے تو میں جہنم کو پیدا نہ کرتا"

دسویں فصل

ظلمانی اور نورانی حجابات :-

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (الاسراء :72)

"اور جو شخص بنا رہا اس دنیا میں اندھا وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا اور بڑا گم کردہ راہ ہو گا"

یہاں اندے پن سے مراد دل کا اندھا پن ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت سے واضح ہے۔

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ (الحج :46)

"حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں"

دل کے اندھا ہونے کا سبب حجابات کی ظلمت، غفلت اور نسیان ہے۔ کیونکہ رب قدوس سے کیے گئے وعدہ کو ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ غفلت کا سبب امر الٰہی کی حقیقت سے ناواقفیت ہے اور جہالت اس لیے ہے کہ دل پر ظلماتی صفات چھا گئی ہیں۔ مثلاً تکبر، کینہ، حسد، بخل، غضب، غیبت، چغلی، جھوٹ اور اس قسم کی کئی دوسری بری چیزیں۔ یہی صفات انسان کے بدترین حالت کی

طرف لوٹنے کا سبب بنتی ہیں۔

ان صفات مذمومہ کے ازالے کی واحد صورت یہ ہے کہ دل کے آئینے کو توحید کی "ریتی" کے ساتھ صیقل کیا جائے اور علم، عمل اور ظاہر و باطن میں سخت مجاہدہ اپنا کر دل کو صاف کیا جائے۔ اگر اس طریقہ کو اپنایا جائے تو دل اسماء وصفات کے نور سے ایک نئی زندگی حاصل کر لے گا اور اسے اپنا وطن اصلی یاد آجائے گا۔ پھر یہ دل اپنے وطن کے لیے مشتاق ہو گا۔ وہاں لوٹنے کے لیے بے تاب ہو گا اور اللہ رحمٰن ورحیم کی عنایت سے اپنی منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ حجابات ظلمانیہ کے ازالے کے بعد نورانیت باقی رہ جائے گی اب روح کی آنکھ بینا ہو جائے گی۔ اسماء وصفات کے نور سے باطن میں روشنی پھیل جائے گی۔ پھر ایک وقت وہ بھی آئے گا کہ نورانی حجابات بھی اٹھتے جائیں گے اور دل نور ذات سے منور ہو جائے گا۔

یاد رکھیے باطن میں دل کی دو آنکھیں ہیں۔ ایک چھوٹی آنکھ ہے اور دوسری بڑی آنکھ۔

چھوٹی آنکھ :۔

یہ آنکھ اسماء وصفات کے نور سے تجلیات صفات کا انتہائے عالم درجات تک مشاہدہ کرتی ہے۔

بڑی آنکھ :۔

یہ آنکھ عالم لاہوت میں انوار ذات کی تجلی کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اس سے مراد نور توحید احدیت کے ذریعے قربت ہے۔ یہ وہ مرتبہ ہے جیسے انسان موت کے بعد حاصل کرتا ہے یا موت سے پہلے بشری نفسانی صفات کو فنا کر کے حاصل کرتا ہے۔ جوں جوں وہ بشری صفات سے منقطع ہوتا جائے گا اسی قدر وہ اس عالم تک رسائی حاصل کرتا جائے گا۔

وصول الی اللہ کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ انسان کا جسم (نعوذ باللہ) اللہ تک پہنچ جائے جیسے ایک جسم دوسرے جسم تک علم معلوم تک، عقل معقول تک یا وہم موھوم تک پہنچتا ہے۔ بلکہ اللہ تک پہنچنے کا مفہوم یہ ہے بلا قرب وبعد، جھت ومقابلہ اور اتصال وانفعال کے بغیر اللہ تک رسائی حاصل کی جائے۔ جس قدر غیر سے انقطاع ہو گا اسی قدر اللہ تعالیٰ سے وصال ہو گا۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے جس کے ظہور وخفاء تجلی واستتار اور جس کی معرفت میں عظیم حکمت پوشیدہ ہے۔

جسے یہ مقام دنیا میں مل گیا اور اس نے احتساب سے پہلے اپنا احتساب کر لیا تو وہ دونوں جہان میں کامیاب ہوا۔ ورنہ اسے عذاب قبر وحشر اور عذاب حساب ومیزان اور شدائد پل صراط کا سامنا کرنا ہو گا۔

گیارویں فصل

سعادت و شقاوت[1]

یاد رہے کہ لوگ ان دو صورتوں سے خالی نہیں ہیں۔ اسی طرح یہ دونوں (سعادت اور شقاوت) ایک انسان میں بھی پائی جا سکتی ہیں۔ جب انسان کی نیکیاں اور اخلاص غالب آجاتا ہے تو اس کی بدبختی خوشبختی میں بدل جاتی ہے، نفسانیت کی جگہ روحانیت لے لیتی ہے۔ لیکن جب انسان خواہشات نفسانی کی اتباع شروع کر دیتا ہے تو معاملہ اس کے برعکس ہو جاتا ہے۔ اگر (نیکی اور برائی کی) دو جہتیں مساوی ہو جائیں تو ایسے میں رجاء اور خیر کی توقع رکھنی چاہیے کیونکہ رب قدوس کا ارشاد گرامی ہے

من جاء بالحسنة فله عشر امثالها(انعام :160)
"جو کوئی لائے گا ایک نیکی تو اس کے لیے دس ہوں گی اور اس کی مانند"

وضع میزان انہیں دونوں کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ جب نفسانیت کلیۃ روحانیت کا روپ دھار لیتی ہے تو میزان کی ضرورت نہیں پڑتی اور انسان بغیر حساب کے بارگاہ قدس میں حاضر ہو جاتا ہے اور اس کا ٹھکانا جنت قرار دے دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جس شخص میں صرف برائی اور بدبختی ہو وہ بلا حساب و کتاب جہنم رسید ہو جاتا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ایک انسان کی برائیاں اور نیکیاں دونوں نامہ اعمال میں درج ہیں۔ اگر نیکیاں زیادہ ہیں تو ایسا شخص بلا عذاب جنت

میں جائے گا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ فامامن ثقلت موازینه فهو فی عیشة راضیة (القارعہ :6-7)

"پس جس کے (نیکیوں کے) پلڑے بھاری ہوں گے تو وہ
دل پسند عیش (ومسرت) میں ہونگے"

اور جس شخص کی برائیاں زیادہ ہوں گی تو سے برائیوں کے مطابق عذاب دیا جائے گا۔ پھر اسے جہنم سے نکال کر جنت میں پہنچایا جائے گا لیکن ایمان شرط ہے۔ (کفار کے لیے دوزخ کا دائمی عذاب ہے)

سعادت وشقاوت سے ہماری مراد نیکیوں اور برائیوں کا ایک دوسرے کی جگہ لینا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اَالسَّعِيْدُ قَدْيَشْقٰى وَ الشَّقِىُّ قَدْيَسْعَدُ"[2]

"سعادت مند کبھی بدبخت بن جاتا ہے اور بدبخت سعادت مند
ہو جاتا ہے"

جب نیکیاں غالب آجاتی ہیں تو انسان سعادت مند شمار ہونے لگتا ہے اور جب برائیاں غالب آجاتی ہیں سعادت مند شقی کہلانے لگتا ہے۔ انسان اگر توبہ کرلے ایمان لائے اور نیک روش اختیار کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی بدبختی کو خوش بختی میں بدل دیتا ہے۔ رہی ازلی سعادت وشقاوت جو ہر انسان کی تقدیر میں لکھی جا چکی ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

اَلسَّعِيْدُ سَعِيْدٌ فِیْ بَطْنِ اُمِّهٖ وَالشَّقِىُّ شَقِىٌّ فِیْ
بَطْنِ اُمِّهٖ[3]

"سعید اپنی ماں کے پیٹ میں سعید ہوتا ہے اور شقی اپنی ماں
کے پیٹ میں شقی ہوتا ہے"

تو اس موضوع پر بات کرنے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ یہ راز تقدیر سے تعلق رکھتا ہے اسے حجت نہیں بنایا جاسکتا۔

صاحب تفسیر البخاری فرماتے ہیں: بہت سے راز ایسے ہیں جنہیں سمجھا

تو جا سکتا ہے لیکن ان کے متعلق گفتگو نہیں کی جا سکتی۔ جیسا کہ تقدیر کا راز۔ ابلیس نے اپنی سرکشی کو تقدیر کے سر تھوپ دیا۔ اسی لیے اس پر لعنت کی گئی جبکہ آدم علیہ السلام نے اپنی خطا کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا۔ اسی وجہ سے وہ کامیاب ہوئے اور ان پر رحم کیا گیا روایات میں آتا ہے کہ کسی عارف کامل نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: تو نے فیصلہ فرمایا، تو نے ارادہ فرمایا۔ تو نے ہی میرے نفس میں معصیت کو پیدا کیا غیب سے آواز آئی۔ اے میرے بندے! یہ تو شرط توحید ہے۔ بتا شرط عبودیت کیا؟ اس عارف نے پھر التجا کی۔ اور عرض کیا: (مولا!) میں نے خطا کی۔ میں گناہوں میں مبتلا ہوا، میں نے اپنی جان پر ظلم کیے۔ غیب سے پھر آواز آئی: میں نے تیرے گناہ معاف کر دیئے۔ تیری خطاءوں سے درگزر کیا اور تجھ پر رحم و کرم فرمایا:

کچھ لوگوں نے مذکورہ حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ لفظ ام (ماں) سے مراد مجمع العناصر ہے جس سے قوئ بشری تولد ہوتے ہیں۔ مٹی اور پانی سعادت کے مظہر ہیں کیونکہ یہ دونوں حیات بخش ہیں اور دل میں علم، ایمان اور تواضع پیدا کرنے والے ہیں۔ مگر آگ اور ہوا ان کے برعکس جلانے والی اور موت کا پیغام ہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے ان دو متضاد خصوصیات کے مادوں کو ایک جسم میں جمع فرما دیا جس طرح کہ بادل میں پانی اور آگ، نور اور ظلمت اکٹھے کر رکھے ہیں۔ رب قدوس کا ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ (الرعد:12)

"وہی ہے جو تمہیں دکھاتا ہے (کبھی) ڈرانے کے لیے اور (کبھی) امید دلانے کے لیے اور اٹھاتا ہے (دوش ہوا پر) بھاری بادل"

یحیٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: اللہ تعالیٰ کی پہچان کا یہ کیا ہے؟ تو "انہوں نے فرمایا متضاد چیزوں کو ایک جگہ جمع کرتا ہے" اسی لیے

انسان ام الکتاب کا نسخہ اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کا آئینہ اور پوری کائنات کا مجموعہ ہے۔ انسان پوری کائنات اور عالم کبریٰ کہلاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں یعنی صفت قہر و لطف سے پیدا فرمایا ہے۔ قہر و لطف کی دو متضاد صفات کی وجہ یہ ہے کہ آئینے کی دو جہتیں ہوتی ہیں ایک کثیف اور دوسری لطیف۔ پس انسان دوسرے تمام اشیاء کے برعکس اسم جامع کا مظہر ہے۔ کیونکہ باقی تمام اشیاء کی تخلیق ایک ہاتھ یعنی ایک صفت سے ہوئی ہے۔ رہی صرف صفت لطف تو اس سے صرف ملائکہ جیسی مخلوق کی پیدائش عمل میں آئی ہے۔ اور فرشتے اسم سبوح و قدوس کا ہی مظہر ہیں۔[4]

ابلیس اور اس کی ذریت کی پیدائش صفت قہر سے ہے جو کہ اسم الجبار کا مظہر ہے۔ اسی لیے اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ سے انکار کیا اور تکبر میں مبتلا ہو گیا۔

جب انسان پوری کائنات، علوی و سفلی کے تمام خواص کا جامع۔ ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ انبیاء و اولیاء لغزش سے خالی ہوں۔ پس انبیاء نبوت و رسالت کے بعد کبائر سے معصوم ہوتے ہیں صغائر سے نہیں۔ جبکہ اولیاء معصوم نہیں ہیں۔ ہاں یہ عموماً کہا گیا ہے کہ کمال ولایت کے بعد اولیاء کبائر سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ[5] فرماتے ہیں: سعادت کی پانچ علامتیں ہیں دل کی نرمی، کثرت بکاء، دنیا سے بے رغبتی، امیدوں کا کم ہونا اور حیاء کی کثرت۔

اور شقاوت کی پانچ نشانیاں ہیں۔ دل کا سخت ہونا۔ آنکھوں کا آنسوؤں سے خالی ہونا، دنیا میں رغبت، لمبی امیدیں اور حیاء کی کمی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَلَامَةُ السَّعِيدِ اَربَعَةٌ۔ اِذا أُؤْتمِنَ عَدلَ وَاِذاعَاهَدَ
وَفّٰى وَاِذَا تَكَلَّمَ صَدَقَ وَاِذَا خَاصَمَ لَمْ يَشْتُمْ
وَعَلَامَةُ الشَّقِيِّ اَرْبَعَةٌ: اِذَا أُؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا عَهَدَ

اَخلَفَ وَ اِذَا تَكَلَّمَ كَذَبَ وَاِذَا خَاصَمَ يَشْتِمُ النَّاسَ وَلَا يَغْفُوْ عَنْهُمْ[۶]

''سعادت مند کی چار نشانیاں ہیں۔ جب کوئی امانت سپرد ہو تو عدل کرے گا۔ وعدہ کرے گا تو پورا کرے گا۔ بولے گا تو سچ کہے گا۔ جھگڑے گا تو گالی نہ دے گا۔ اور بدبخت کی بھی چار نشانیاں ہیں۔ جب اسے امین بنایا جائے گا تو خیانت کرے گا۔ وعدہ کرے گا تو وعدہ خلافی کرے گا۔ بولے گا تو جھوٹ بولے گا۔ کسی سے لڑے گا تو گالیاں دے گا اور لوگوں کو معاف نہیں کرے گا''۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :

''فمن عفا واصلح فاجره على الله''(شعوری :140)

''پس جو معاف کر دے اور اصلاح کر دے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے''

یاد رکھیے ! شقاوت کا سعادت میں تبدیل ہونا اور سعادت کا شقاوت کی جگہ لینا تربیت کے بغیر ممکن نہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلٰى فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ وَلٰكِنْ اَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْيُنَصِّرَانِهٖ اَوْيُمَجِّسَانِهٖ[۷]

''ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے والدین اسے یہودی بنا دیتے ہیں، نصرانی بنا دیتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں''

اس حدیث سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ ہر ایک انسان میں سعادت اور شقاوت دونوں کی قابلیت ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہنا چاہیے کہ یہ شخص سعید محض ہے یا شقی محض ہے۔ ہاں یوں کہنا جائز ہے کہ فلاں شخص خوش نصیب ہے جب کہ دیکھ رہا ہو کہ اس کی نیکیاں برائیوں پر غالب ہیں۔ اسی طرح کسی کو اعمال بد کی وجہ سے بدبخت بھی کہہ سکتا ہے۔ جو شخص ان اصول کو توڑے گا گمراہ

ہو جائے گا کیونکہ اس نے گویا یہ عقیدہ اپنالیا کہ کچھ لوگ نیک عمل اور توبہ کے بغیر بھی جنت میں جا سکتے ہیں یا کچھ لوگ برائیوں کے بغیر جہنم میں جا سکتے ہیں۔ ایسا کہنا قرآن وسنت کے منافی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نیک لوگوں سے جنت کا وعدہ ہے اور شرک وکفر میں مبتلا برے لوگوں کو جہنم کی آگ کی وعید سنائی گئی ہے۔ جیسا کہ رب قدوس کا ارشاد گرامی ہے۔

مِنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا
(فصلت :46)

"جو نیک عمل کرتا ہے تو وہ اپنے بھلے کے لیے اور جو برائی کرتا ہے تو اس کا وبال اس پر ہے"

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَاظُلْمَ الْيَوْمَ
(غافر :17)

"آج بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا تھا۔ ذرا ظلم نہیں ہوگا آج"

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى (النجم :39-40)

"اور نہیں ملتا انسان کو مگر وہی کچھ جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور اس کی کوشش کا نتیجہ جلد نظر آجائے گا"

وَمَاتُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ
(البقرہ :110)

"اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے لیے نیکیوں سے ضرور پاؤ گے اس کا ثمر اللہ کے ہاں"

حواشی

۱۔ حاشیہ (ظ) میں یہ بات ملتی ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا خوشا وہ شخص جو ازل سے سعادت مند ہے۔ وہ کبھی ناکام نہیں ہوگا۔ اور جو ازلی بدبخت ہے افسوس وہ کبھی بھی مقبول بارگاہ خداوندی نہیں ہو سکے گا

۲۔ اس کے ساتھ والی حدیث کی تخریج دیکھیے۔ حافظ ابن حجر (الفتح جلد یازدھم ص ۸۸۴) فرماتے ہیں کہ اعمال کا حسن و قبح علامات ہیں موجبات نہیں ہیں۔ انجام کار قضاء و قدر سے مرتب پاتا ہے جس کا فیصلہ ابتداء میں ہو چکا ہوتا ہے۔ یہ رائے خطابی کی ہے۔ سامع کو سچائی کا یقین دلانے کے لیے سچی بات پر قسم اسی قبیل سے ہے۔ اس سے مبداء و معاد اور انسان کی سعادت و شقاوت کی طرف اشارہ بھی ہے۔ اس میں بہت سارے احکام ہیں جو کہ اصول و فروغ اور حکمت وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ بدبخت نیک بخت بھی ہو سکتا ہے اور کبھی نیک بخت بدبختی کا شکار بھی ہو سکتا ہے لیکن اس تبدیلی کی نسبت اعمال ظاہری کی طرف کی جائے گی۔ رہا علم خداوندی میں تو اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ حدیث سے مترشح ہو رہا ہے کہ اعتبار خاتمہ کا ہوگا۔

۳۔ حاشیہ (ظ) میں مذکور ہے کہ شقاوت کی چار علامتیں ہیں۔ گذشتہ گناہوں کو بھول جانا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہیں۔ گزری نیکیوں کو یاد رکھنا حالانکہ نامعلوم بارگاہ خداوندی قبول ہوئیں یا نہیں۔ دنیاوی اعتبار سے بڑوں کو دیکھنا اور دینی اعتبار سے اپنے سے کم تر پر نظر کرنا۔ حضرت امام مسلم (صحیح مسلم۔ کتاب القدر۔ باب کیفیۃ الخلق لآدمی) فرماتے ہیں کہ عامر بن واثلہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا فرما رہے تھے شقی وہ ہے جو ماں کے پیٹ سے شقی ہے۔ اور سعید وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے وہ حذیفہ بن اسید نامی صحابی نے ان سے کہا کیا تمہیں تعجب ہو رہا ہے۔ میں نے حضور ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے جب نطفے (کو ماں کے پیٹ میں قرار پکڑنے) پر بیالیس راتیں گزر جاتی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے۔ یہ فرشتہ اس نطفے کو ایک صورت دیتا ہے اور اس کے کان آنکھ جلد گوشت اور ہڈیاں پیدا کرتا ہے پھر فرشتہ عرض کرتا ہے۔ اے میرے رب مذکر یا مؤنث؟ پس آپ کا رب فیصلہ فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔ فرشتہ لکھ لیتا ہے۔ فرشتہ پھر عرض کرتا ہے۔ اے میرے رب اس کی

موت (کب واقع ہو گی) ؟ پس تیرا رب جو چاہتا ہے فرما دیتا ہے۔ فرشتہ اس فرمان کو لکھ لیتا ہے۔ فرشتہ عرض کرتا ہے۔ اے میرے رب! اس کا رزق ؟ (کتنا لکھوں) پس تیرا رب جو چاہتا ہے فیصلہ فرما دیتا ہے اور فرشتہ اسے لکھ لیتا ہے۔ اس کے بعد فرشتہ اپنے ہاتھ میں ایک صحیفہ لے کر واپس چلا جاتا ہے۔ اسے جو حکم ملتا ہے نہ اس سے کم کرتا ہے نہ زیادہ "۔ دیکھیے جامع الاصول۔ از۔ ابن اثیر۔ ج10/115-116

۴۔ خطابی (شان الدعاء۔ 40-154) فرماتے ہیں السبوح کا مطلب ہے ہر عیب سے منزہ اور القدوس کا معنی ہے عیوب، مد مقابل اور اولاد سے پاک امام مسلم اپنی صحیح (کتاب الصلوٰۃ باب مایقال فی الرکوع والسجود 487) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رکوع اور سجود میں یہ کلمات پڑھتے تھے۔ "سُبُوحٌ قُدُوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ" خطابی فرماتے ہیں الروح کے بارے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد جبریل امین ہیں۔ ان کی تخصیص تمام ملائکہ پر انہیں حاصل فضیلت کی وجہ سے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ الروح فرشتوں کی ایک قسم ہے جن کی صورتیں انسانوں جیسی ہوتی ہیں لیکن وہ انسان نہیں ہوتے۔ واللہ اعلم۔

۵۔ زرکلی (اعلام ج3/171 فرماتے ہیں شقیق بن ابراہیم بن علی الازدی البلحنی کی کنیت ابو علی ہے۔ آپ خراسان کے مشہور صوفی ہیں جو زہد و تقویٰ میں بہت شہرت رکھتے تھے شاید خراساں کے علاقہ میں آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم احوال پر گفتگو کی۔ آپ بڑے مجاھدین میں شمار ہوتے تھے۔ ذہبی (السیر ج9/313) فرماتے ہیں کہ ایک روایت کے مطابق آپ 294ھ کو ماوراء النہر کے علاقہ کولان میں ایک لڑائی میں شہید ہوئے۔

۶۔ یہ حدیث ہمیں نہیں ملی

۷۔ امام بخاری اپنی صحیح میں (کتاب الجنائز۔ باب اذا اسلم الصبی ضمت) فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پس اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جس طرح ہر جانور صحیح سالم پیدا ہوتا ہے۔ کیا تم ان میں سے کسی کو کان کٹا دیکھتے ہو؟" دیکھیے "جامع الاصول" از۔ ابن اثیر ج1/268

بارھویں فصل

فقراء کا بیان :۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ فقراء اکثر صوف کا لباس زیب تن کرتے ہیں اس لیے انہیں صوفی کہتے ہیں۔

کچھ لوگ ان کی وجہ تسمیہ بتاتے ہیں کہ ماسوی اللہ سے دل کے تصفیہ و تزکیہ کی وجہ سے انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ روز قیامت صف اول میں کھڑے ہونے والے مردان باصفا ہیں۔ صف اول کی وجہ سے انہیں صوفی کہا جاتا ہے۔ صف اول عالم قربت ہے۔ کیونکہ عالم چار ہیں[1] عالم ملک، عالم ملکوت، عالم جبروت اور عالم لاہوت۔ اور عالم لاہوت ہی عالم حقیقت ہے۔ اسی طرح علم کی بھی چار قسمیں ہیں۔ علم شریعت، علم طریقت، علم معرفت، اور علم حقیقت۔ اسی طرح ارواح بھی چار ہیں۔ روح جسمانی، روح روانی، سیرانی، روح سلطانی اور روح قدسی۔

بالکل اسی طرح تجلیات بھی چار ہیں۔ تجلی آثار، تجلی افعال، تجلی صفات، تجلی ذات اور عقل بھی چار ہیں۔ عقل معاشی، عقل معادی، عقل زمانی اور عقل کل۔ لوگ چار عالموں کے مقابلے میں اقسام اربعہ کی قید لگاتے ہیں یعنی علوم اربعہ، ارواح، تجلیات اور عقول۔[2]

بعض لوگ علم اول، روح اول، عقل اول کو جنت اول یعنی جنت الماوی کے ساتھ مقید خیال کرتے ہیں۔

بعض دوسری اقسام کو جنت ثانی کے ساتھ مقید کرتے ہیں دوسری جنت سے مراد جنت النعیم ہے بعض تیسری اقسام کو جنت ثالثہ یعنی الفردوس کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔ یہ لوگ حقیقت سے واقف نہیں ہیں۔

اہل حق فقراء عارفین ان تمام امور سے آگے قربت خداوندی کی طرف نکل گئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی چیز سے تعلق نہیں رکھتے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے پیرو ہیں۔

ففروا الی اللّٰہ (ذاریات :50)

"پس دوڑو اللہ کی طرف"

جیساکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

وَھُمَا حَرَامَانِ عَلٰی اَھلِ اللّٰہِ [۳]

"یہ دونوں (دنیا و آخرت) اھلِ اللہ پر حرام ہیں"

حدیث قدسی ہے۔

مَحَبَّتِیْ مَحَبَّۃُ الْفُقَرَاءِ [۴]

"میری محبت فقراء کی محبت (میں) ہے"

رسول کریم اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ [۵]

"فقر میرا فخر ہے"

فقر سے مراد فناء فی اللہ ہے۔ جس کے دل میں ذاتی کوئی خواہش نہ ہو اور نہ ہی اس کے دل میں کوئی غیر یا کسی غیر کی محبت سما سکتی ہو۔ جیساکہ حدیث قدسی میں ہے۔

لَایَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَاسَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیْ الْمُؤْمِنِ [۶]

"میں اپنی زمین اور اپنے آسمان میں نہیں سما سکتا مگر اپنے بندۂ مؤمن کے دل میں سما جاتا ہے"

یعنی ایسا بندۂ مؤمن جس کا دل صفات بشری سے پاک اور منزہ ہو اور کسی غیر کا خیال بھی اس میں نہ رہے۔ پس ایسے دل میں اللہ تعالیٰ کا نور منعکس ہوتا ہے اور یوں وہ اس دل میں سما جاتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ بندۂ مؤمن کے دل کے ایک کونے میں اگر عرش اور اس کے ملحقات کو رکھا جائے تو اسے احساس تک نہ ہو۔ جو ان اھل محبت سے تعلق خاطر رکھتے ہیں آخرت میں ان کے ساتھ ہوں گے۔ فقیروں سے محبت کی علامت یہ ہے کہ انسان ان کی صحبت میں بیٹھنا پسند کرے۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا مشتاق رہے اور اس کے دل میں وصال کی تمنا کروٹیں لیتی رہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے۔

اَلَا طَالَ شَوْقُ الْاَبْرَادِ اِلٰی لِقَائِیْ وَاِنِّیْ لَاَ شَدُّ شَوْقًا اِلَیْهِمْ

"نیک بندوں نے میری ملاقات کا شوق عرصے سے دل میں پال رکھا ہے۔ میں ان سے کہیں زیادہ ان کی ملاقات کا مشتاق ہوں"

صوفیاء کا لباس :۔

صوفیاء کا لباس تین طرح کا ہوتا ہے۔ مبتدی کے لیے بکری کی اون متوسط کے لیے بھیڑ کی اور منتہی کے لیے پشم۔ اس میں چار قسم کی اون ملی ہوتی ہے۔

تفسیر "المجمع" کے مصنف لکھتے ہیں "زھاد کے لائق سخت لباس اور سخت کھانا پینا ہے۔ کیونکہ وہ مبتدی ہیں۔ جبکہ عرفاء واصلین کے لیے نرم لباس اور نرم کھانا ضروری ہے۔

مبتدی کے عمل میں دونوں رنگ حمیدہ اور ذمیمہ ہوتے ہیں۔ متوسط میں اچھائی کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ مثلاً شریعت کا نور، طریقت کا نور اور معرفت کا نور۔ اس لیے ان کے لباس میں بھی تینوں رنگ ہوتے ہیں۔ یعنی سفید،

نیلا اور سبز۔ جبکہ منتہی کا عمل تمام رنگوں سے خالی ہوتا ہے۔ جس طرح کہ سورج کی روشنی میں کوئی رنگ نہیں۔ اور اس کا نور رنگوں کو قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح منتہی لوگوں کا لباس بھی تاریکی کی مانند کسی رنگ کو قبول نہیں کرتا۔ یہ فناء کی علامت ہے اور ان کی معرفت کے نور کے لیے نقاب ہے جس طرح رات سورج کی روشنی کے لیے نقاب کا کام دیتی ہے۔ رب قدوس کا ارشاد ہے۔

يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ (الاعراف :54)

"ڈھانکتا ہے رات سے دن کو"

اسی طرح ایک اور ارشاد ہے۔

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا (النباء :10)

"نیز ہم نے بنادیا رات کو پردہ پوش"

عقلمندوں کے لیے اس میں لطیف اشارہ ہے۔

ایک دوسری وجہ بھی ہے کہ اہل قربت اس دنیا میں گویا مسافر ہیں۔ ان کے لیے یہ دنیا غم واندوہ، محنت و مشقت اور حزن و ملال کی دنیا ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ [8]

"دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے"

اسی لیے اس جہان ظلمت میں لباس ظلمت ہی زیب دیتا ہے۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے سیاہ لباس پہنا اور سیاہ عمامہ باندھا ہے [9] سیاہ لباس مصیبت کا لباس ہے۔ یہ ان لوگوں کے جسم پر سجتا ہے جو مصیبت زدہ ہوں اور حالت غم واندوہ میں ہوں۔ صوفیاء اھل عزاء ہیں کیونکہ وہ مکاشفہ مشاہدہ اور معاینہ کے ذریعے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نور کے سامنے ہیں اور شوق عشق، اور روح قدسی، مرتبہ قربت و وصل کی طرح ابدی موت کی وجہ سے حالت غم میں ہیں اس لیے مدت العمران کے جسم پر اھل عزاء کا لباس ہی سجتا ہے۔ کیونکہ وہ منفعت اخروی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے ہوتے ہیں۔ جس عورت کا

خاوند فوت ہو جائے اللہ کریم کا حکم ہے کہ وہ چار ماہ اور دس دن تک سوگ کے لباس میں رہے [۱۰] کیونکہ اس سے دنیوی منفعت چھن گئی ہے۔ پس جس سے اخروی منفعت چھن جائے تو وہ مدت العمر کیوں نہ سوگ منائے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءَ النبِیُّوْنَ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ [۱۱]

"سب سے زیادہ مصائب کا سامنا انبیاء کو کرنا پڑا۔ پھر ان کے صحابہ پھر ان کے دوست"

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلْمُخْلِصُوْنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیْمٍ [۱۲]

"مخلصین کو بڑے بڑے خطرات کا سامنا ہے"

یہ ساری چیز فقر و فناء کی صفت سے تعلق رکھتی ہیں۔ حدیث پاک میں ہے۔

اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْهِ فِی الدَّارَیْنِ [۱۳]

"فقر دونوں جہان میں سیاہ روی ہے"

اس کا مفہوم یہ ہے کہ فقر مختلف رنگوں کو قبول نہیں کرتا وہ صرف نور ذات کو قبول کرتا ہے۔ سیاہی کی حیثیت خوبصورت چہرے پر تل کی مانند ہے۔ جو حسن و ملاحت میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ اہل قربت جب جمال خداوندی کا مشاہدہ کرتے ہیں تو پھر ان کی آنکھوں کا نور کسی غیر کو قبول نہیں کرتا۔ اور نہ کسی اور کو محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ دارین میں ان کا ایک ہی محبوب ایک ہی مطلوب ہوتا ہے ان کی منزل حریم ذات کی قربت ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی معرفت و وصل کیلئے پیدا فرمایا ہے۔

انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنے مقصد حیات [۱۴] کو پانے کی کوشش کرے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی عمر لایعنی کاموں میں صرف کر دے اور پس مرگ اپنی عمر عزیز کے ضیاع پر پچھتا تا پھرے۔

حواشی

۱۔ حاشیہ (ظ) میں لکھا ہے کہ شیخ محمد آفندی الاسکداری فرماتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ عالم بہت زیادہ ہیں۔ ان تمام کا مبدا اور اہل غیب الغیوب ہے۔ اس کے کئی مراتب ہیں۔ پہلا مرتبہ غیب مطلق اور ذات احدیت کا ہے۔ اسے یقین اول بھی کہتے ہیں۔ تیسرا مرتبہ بھی ذات واحدیت کا ہے اور اسے یقین ثانی کا نام دیتے ہیں۔ یہ اسماء وصفات سے متصف ہے۔ پھر عالم ارواح ہے۔ پھر عالم خیال اور مثال معلق ثانی کا نام دیتے ہیں۔ یہ اسماء و صفات سے متصف ہے۔ پھر عالم ارواح ہے۔ پھر عالم خیال اور مثال معلق کا ہے۔ یہ عالم عوالم الٰہی کے مشابہ ہے کیونکہ یہ جامع الاضداد ہے۔ اس کے بعد عالم شہادت ہے یعنی عالم محسوس جس میں آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، معدنیات، نباتات حیوانات اور انسان رہتے ہیں۔ اس کے بعد عالم انسان ہے۔ اگرچہ یہ صورت میں تو چھوٹا ہے لیکن معنی میں تمام جہانوں سے بڑا ہے۔ اسی لیے اسے خلافت کبریٰ کا مستحق گردانا گیا ہے اور امانت عظمی اس کے سپرد کی گئی ہے۔ جیسا کہ رب قدوس کا ارشاد گرامی ہے۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ) مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (الاحزاب : 72)حدیث قدسی میں ہے۔ "میں اپنی زمین اور اپنے آسمان میں نہیں سما سکا مگر اپنے بندۂ مؤمن کے دل میں سما گیا ہوں" بندۂ مؤمن متقی، پرہیز گار اور اطاعت گزار۔ جو ذات الٰہی کا آئینہ ہے اور السماء وصفات کے انوار کے لیے طاق کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲۔ اس کتاب کی تیسری فصل کا ایک دفعہ پھر مطالعہ کریں۔

۳۔ اس کی تخریج گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے۔

۴۔ ان الفاظ میں اس حدیث کو ہم تلاش نہیں کر سکے۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث اس کی شاھد ہے۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندۂ فقیر کو پسند فرماتے ہیں جو عصمت شعار اور عیالدار ہو (سنن ابن ماجہ۔ کتاب الذھد۔ باب فضل الفقراء حدیث نمبر 4121) حضرت امام غزالی احیاء العلوم جلد چہارم ص 199 پر لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی بارگاہ میں

محبوب ترین وہ فقیر ہے جو اللہ کے دیے پر قناعت کرے اور اللہ تعالیٰ کی دین پر راضی ہو" علامہ سمر قندی (تنبیہ الغافلین ص184) فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "بارگاہ خداوندی میں محبوب ترین فقیر لوگ ہیں۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک سب خلق سے پیارے انبیاء ہیں اور اللہ انہیں فقر میں مبتلا فرما دیتا ہے۔ آپ ہی کا ارشاد ہے (ص181) مسلمان کو چاہیے کہ فقر کو پسند کرے اور فقیروں سے محبت رکھے اگرچہ خود غنی ہو کیونکہ فقیروں کی محبت میں اللہ کے محبوب کی محبت پوشیدہ ہے۔ اللہ کریم نے اپنی رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ فقیروں سے محبت رکھیں اور انہیں اپنی قربت بخشیں وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَه ' (الکھف :28) یعنی جن فقیروں نے اپنی ذات کو عبادت میں لگا رکھا ہے آپ ان کے قریب بیٹھیں۔

۵۔ یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ جسے امام سخاوی نے المقاصد ص745 پر نقل فرمایا ہے۔ تمہ حدیث یوں ہے۔ "وبیٖ اِفْتَخَرَ" دیلمی نے ("الفردوس" حدیث نمبر 2399) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ "مؤمن کا دنیا میں تحفہ فقر ہے"

۶۔ اسے غزالی نے الاحیاء ج 15/3 میں نقل فرمایا ہے۔ حافظ عراقی (المغنی ج 15/3) فرماتے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں۔ زرکشی بھی انہیں کی موافقت کرتے ہیں (اللالی ص 135) عجلونی (الکشف ج 255/2) فرماتے ہیں کہ سیوطی نے "الدرر" ص 362 پر لکھتے ہیں کہ احمد نے الزہد 103 پر وھب بن منبہ سے نقل کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے حزقیل علیہ السلام کے لیے آسمانوں کے دروازے کھولے یہاں تک کہ انہوں نے عرش تک دیکھا۔ یا جیسے فرمایا۔ حزقیل نے عرض کیا۔ پاک ہے میرے رب تو تیری کتنی عظمت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آسمان اور زمین مجھے اٹھانے سے قاصر ہیں اور نہ میں ان میں سما سکتا ہوں۔ میں سما سکتا ہوں تو صرف بندۂ مؤمن کے دل میں سما سکتا ہوں جو غیر کے خیال سے خالی اور نرم ہو"

۷۔ اسے الفتنی نے تذکرۃ الموضوعات میں ص196 پر نقل کیا ہے۔

۸۔ مسلم کی روایت کردہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے (کتاب الزہد حدیث نمبر2956) ترمذی کتاب الزہد میں بیان کرتے ہیں حضرت ابوھریرہ سے روایت ہے "دنیا مؤمن کیلئے

زنداں اور کافر کیلئے جنت ہے" نووی کی شرح صحیح مسلم میں ہے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن قیدی ہے دنیا کی حرام اور مکروہ چیزوں سے اسے روک دیا گیا ہے۔ اور سخت ترین عبادات کا اسے مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔ جب وہ رحلت کر جاتا ہے تو اس سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کریم کی دائمی نعمتوں اور ابدی راحتوں کا مستحق بن جاتا ہے۔ لیکن کافر کے لیے کوئی پابندی نہیں ہے وہ دنیا سے خوب لطف اندوز ہوتا ہے۔ جبکہ مرنے کے بعد دائمی عذاب کا مستحق بن جاتا ہے۔ واللہ اعلم

۹۔ دیکھیے صحیح مسلم کتاب الحج باب جواز دخول مکہ بغیر احرام حدیث نمبر 1359 حضرت عمرو بن حارث سے روایت ہے وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ کہ حضور ﷺ نے خطبہ دیا اور آپ نے سیاہ عمامہ باندھ رکھا تھا۔

۱۰۔ وَالَّذِيْنَ يَتَوفُوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا (البقرہ: 234)

۱۱۔ ترمذی کتاب الزہد۔ باب ماجاء فی الصبر علی البلاء۔ ابن ماجہ۔ کتاب الفتن۔ باب الصبر علی البلاء۔ اس روایت میں کچھ الفاظ زیادہ ہیں۔ "انسان کو اس کے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔ اگر دینداری میں پختگی ہو تو ابتلاء سخت ہوتی ہے۔ دینداری میں کمزوری ہو تو اس کے مطابق ابتلا میں کمی کر دی جاتی ہے۔ انسان مصیبت میں مبتلا رہتا ہے حتی کہ وہ زمین میں اس حالت میں چلتا چھوڑ دیا جاتا ہے کہ اس کے ذمے کوئی خطا نہیں ہوتی۔

۱۲۔ پوری حدیث یوں ہے۔ "الناس هلكى الا العالمون والعالمون هلكى الا العاملون والعاملون هلكى الا المخلصون والمخلصون فى فطر عظيم" دیکھیے "الاحادیث المشکلہ" از۔ اطوتؒ۔ سیوطیؒ کی "النکت"

۱۳۔ دیکھیے صغانی کی "الموضوعات" ص 80 عجلونی کی الکشف جلد دوم ص 131 دیلمی کی حدیث اس کی شاھد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے الفقر فقران فقر الدنیا و فقر الآخرہ۔

فقر الدنیا غنی الآخرۃ "فقر کی دو قسمیں ہیں۔ فقر دنیا اور فقر آخرت فقر دنیا عنائے آخرت ہے اور عنائے دنیا فقر آخرت ہے۔ یہ ہلاکت ہے۔ دنیا کے مال و زینت کی محبت آخرت کا فقر اور دنیا کا عذاب ہے۔

حاشیہ (ظ) میں ہے۔ کیا گیا ہے کہ امراض اور دردوں کے چار فائدے ہیں۔ گناہوں کی معافی۔ آخرت کی یاد۔ گناہوں سے کنارہ کشی اور دعا میں اخلاص۔

۱۴۔ امام قشیری (الرسالہ ص253-254 فرماتے ہیں کہ کسی شخص کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی۔ اے داؤد میں نے دلوں پر حرام کر دیا ہے کہ ان میں میری محبت اور غیر کی محبت یکجا ہوں کسی کا ایک قول ہے۔ حضرت رابعہ عرویہ نے اپنی دعاؤں میں عرض کیا: الٰہی کیا تو ایسے دل کو آگ سے جلا دے گا جس میں تیری محبت ہے؟ ہاتف غیبی نے آواز دی۔ میں ایسا کروں میری شان کے لائق نہیں۔ میرے بارے سوئے ظن نہ رکھیے۔ کسی صوفی کا قول ہے۔ لفظ حب دو حرفوں پر مشتمل ہے۔ ''حاء'' اور ''باء'' اس میں اشارہ ہے کہ اہل محبت جسم و روح کی قید سے نکل جاتے ہیں۔ کو پانے کی کوشش کرے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی عمر لایعنی کاموں میں صرف کر دے اور پس مرگ اپنی عمر عزیز کے ضیاع پر پچھتاتا پھرے۔

تیرھویں فصل

طہارت کا بیان[1]

طہارت کی دو قسمیں ہیں۔ ظاہری طہارت اور باطنی طہارت ظاہری طہارت شریعت کے پانی سے حاصل ہوتی ہے۔

جبکہ باطنی طہارت کے لیے توبہ، تلقین، تصفیہ، اور سلوک الطریق کا پانی چاہیے۔ شرعی وضو جسم سے کسی نجاست کے خروج سے جب ٹوٹ جاتا ہے[2] تو تجدید وضو ضروری ہو جاتا ہے جیسا کہ حضور علیہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

مَنْ جَدَّدَ الْوُضُوْءَ جَدَّدَ اللّٰهُ اِيْمَانَهٗ[3]

"جو تازہ وضو کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کو تازگی بخش دیتا ہے"

افعال ذمیمہ اور اخلاق رذیہ مثلاً تکبر، حسد، کینہ، خود پسندی، غیبت جھوٹ اور خیانت، خواہ خیانت آنکھ کی ہو، ہاتھوں کی ہو، پاؤں کی ہو یا کانوں کی ہو جیسا کہ حضور علیہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

اَلْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ وَالْاُذُنَانِ تَزْنِيَان

"آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور کان بھی"[4]

جب ان سے باطنی وضو ٹوٹ جاتا ہے تو ان مفسدات سے خالص توبہ کر کے اور نادم ہو کر رجوع اِلَی اللہ استغفار اور ان مفاسد کو دل سے نکال پھینکنے کے عزم کے ساتھ دوبارہ باطنی طہارت حاصل کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ عارف کو

چاہیے کہ ان آفات سے اپنی توبہ کی حفاظت کرے۔ تبھی اس کی نماز مکمل ہو گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ (ق:32)

"یہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا یہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اپنی توبہ کی حفاظت کرنے والا ہے"

ظاہری وضو اور نماز کے لیے وقت مقرر ہے مگر باطنی وضو اور نماز کا تمام عمر کے لیے مسلسل صبح و شام اہتمام کرنا ضروری ہے۔

حواشی

۱۔ طہارت لغت میں پاکیزگی، گندگی سے صفائی اور پانی وغیرہ سے چیز کو ستھرا کرنا ہے ابن قدامہ مقدسی المغنی ج 6/1 میں فرماتے ہیں شریعت میں طہارت نام ہے ایسی چیز کے ازالے کا جو نماز سے مانع ہے یا پانی کے ساتھ گندگی کا دور کرنا یا مٹی کے ساتھ حکماً نجاست کو دور کرنا طہارت ہے نجفی (جواھر الکلام ج 4/1) فرماتے ہیں طہارت عرف میں وضو، غسل یا تیمم کو کہتے ہیں۔ کیونکہ تیمم بھی نماز کو مباح کرنے میں مؤثر ہے۔ سعدی ابو جیب القاموس ص 233 پر لکھتے ہیں فقہاء کے نزدیک طہارت کی دو قسمیں ہیں حدث سے طہارت اور نجس سے طہارت۔

۲۔ نواقض وضو ہر وہ چیز جو سبیلین سے نکلے، خون، پیپ، زرد پانی، جب یہ چیزیں جسم سے نکل کر اس جگہ تک بہہ جائیں جس پر طہارت کا حکم لاگو ہوتا ہے۔ منہ بھر کر قے آنا، پہلو کے بل لیٹ کر سونا، تکیہ لگا کر سونا یا کسی اور چیز سے ٹیک لگا کر اس طرح سو جانا کہ اگر اسے ہٹا لیا جائے تو آدمی یقیناً گر جائے، بیہوشی اور جنون کا عقل پر غلبہ ہونا۔ رکوع و سجود والی نماز میں قہقہہ لگا کر ہنسنا۔ یہ تمام چیزیں وضو کو توڑ دیتی ہیں۔

۳۔ حاشیہ (ظ) میں آیا ہے کہ جب مؤمن وضو کرتا ہے نماز کے لیے تو شیطان اس سے خوف کے مارے زمین کے کئی قطعے دور ہو جاتا ہے مذکورہ حدیث ہمیں ان الفاظ میں نہیں ملی۔ امام غزالی نے (الاحیاء ج 135/1) میں حدیث بیان کی ہے کہ "وضو پر وضو نور علی نور

ہے 'سنن ابن ماجہ (کتاب الطہارت) میں ہے : حضور ﷺ نے پانی منگوایا اور وضو میں ہر عضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا اور فرمایہ وضو کا طریقہ ہے۔ یا فرمایا یہ اس شخص کا وضو ہے جس نے وضو نہ کیا ہے۔ اس وضو کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں کرتا۔ پھر وضو کیا اور ہر عضو کو دو دو مرتبہ دھویا پھر فرمایا۔ جو یہ وضو کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو دو کفل اجر عطا کرے گا۔ پھر وضو کیا اور تین تین بار اعضاء کو دھویا پھر ارشاد فرمایا یہ میرا ہے اور مجھ سے پہلے رسولوں کا وضو ہے'' یہ حدیث وضو کی ترغیب دلاتی ہے۔ کہ وضو پر وضو کیا جائے اور اچھی طرح وضو کیا جائے۔

۴۔ اسے امام احمد نے اپنی مسند میں ج 412/1 پر تقریباً انہیں لفاظ کے ساتھ روایت گیا ہے۔ یہ حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ صحیح مسلم کتاب القدر باب قدر علیٰ ابن آدم حظه من الزنی وغیرہ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے : نبی کریم ﷺ نے فرمایا : ''ابن آدم کے لیے زنا کا ایک حصہ لکھا جا چکا ہے۔ جسے وہ ضرور پائے گا۔ آنکھوں کا زنا بری نظر ہے۔ کانوں کا زنا بری بات سننا ہے۔ زبان کا زنا برا کلام اور تکذیب ہے'' نووی شرح مسلم (جلد 16 ص 206) میں لکھتے ہیں ابن آدم کے مقدر میں زنا کا کچھ حصہ لکھا ہوا ہے۔ کوئی حرام کاری کر کے زنا کا مرتکب ہوتا ہے اور کوئی مجازی طور پر زنا کا مرتکب ہوتا ہے۔ غیر محرم کی طرف دیکھتا ہے۔ زنا یا زنا جیسی گفتگو کسی سے سنتا ہے۔ کسی اجنبی کو ہاتھ سے پکڑتا ہے، اسے بوسہ دیتا ہے یا چل کر زنا کرنے جاتا ہے یا صرف دیکھتا ہے ہاتھ لگاتا ہے کسی غیر محرم عورت سے بدگفتگو کرتا ہے دل میں سوچتا ہے۔ یہ سب چیزیں مجازی زنا ہیں اگرچہ آدمی دخول کر کے مکمل زنا نہیں بھی کرتا پھر بھی اس کے قریب پہنچ جاتا ہے۔

چودھویں فصل

شریعت اور طریقت کی نماز[1]

شریعت کی نماز :-

اس نماز کی فرضیت اس آیت کریمہ سے عیاں ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

حَافِظُوا عَلَی الصَّلَوٰتِ (البقرہ :238)

"پابندی کرو سب نمازوں کی"

اس نماز سے مراد ظاہری جوارح[2] سے ادا ہونے والے ارکان ہیں جس میں جسم حرکت پزیر ہوتا ہے۔ انسان قیام کرتا ہے۔ قرأت کرتا ہے۔ رکوع و سجود میں جاتا ہے۔ قعدہ کرتا ہے۔ تلاوت میں آواز ہوتی ہیں۔ الفاظ ہوتے ہیں۔ اسی لیے حافظوا کا جامع لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

طریقت کی نماز :-

یہ دل کی نماز ہے۔ یہ نماز ابدی ہے اور اس کا ثبوت اللہ کریم کا یہ فرمان عالی شان ہے۔

وَالصَّلٰوۃِ الْوُسطٰی (البقرہ :238)

"اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی"

درمیانی نماز سے مراد قلبی نماز ہے کیونکہ دل کو دائیں بائیں اور اوپر نیچے کے اعتبار سے جسم کے درمیان میں پیدا کیا گیا ہے۔ اسی طرح دل سعادت و

شقاوت [۳] کے بھی درمیان تخلیق ہوا ہے جیسا کہ رسول خدا ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلْقَلْبُ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ یُقَلِّبُھَا کَیْفَ یَشَاءُ [۴]

"دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے وہ اسے جیسے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے"

دو انگلیوں سے مراد صفت قہر و لطف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انگلیوں سے پاک ہے۔ اس آیت کریمہ اور حدیث مبارکہ کو دلیل بنا کر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اصلی نماز دل کی نماز ہے۔

جب کوئی شخص دل کی نماز سے غافل ہو جاتا ہے تو اس کی دونوں نمازیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ یعنی دل کی نماز بھی اور جوارح کی نماز بھی۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

لَاصَلَاۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ [۵]

"حضور قلب کے بغیر کوئی نماز نہیں"

وجہ یہ ہے کہ نمازی اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے۔ کلام کا محل دل ہے۔ جب دل غافل رہا تو نماز باطل ٹھہری اور جوارح کی نماز بھی ٹوٹ گئی۔ کیونکہ دل اصل ہے اور باقی اعضاء اس کے تابع ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے۔

اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَافَسَدَتْ فَسَدَا لْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ [۶]

"ہاں ہاں! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ایسا بھی ہے کہ اگر صحیح ہو جائے تو سارا بدن صحیح ہو جائے اور اگر بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جائے۔ یاد رہے! گوشت کا وہ ٹکڑا دل ہے"

شریعت کی نماز :۔

اس نماز کے لیے وقت مقرر ہے۔ یہ دن رات میں پانچ مرتبہ ادا ہوتی ہے۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ یہ نماز مسجد میں باجماعت ادا کی جائے۔ رخ کعبۃ اللہ شریف کی طرف ہو اور انسان بلاریاء و نمود امام کی اتباع کر رہا ہو۔[۷]

طریقت کی نماز :۔

یہ نماز پوری زندگی کو محیط ہوتی ہے۔ اس کی مسجد دل ہے۔ اور جماعت یہ ہے کہ باطن کی ساری طاقتیں اسمائے توحید کے ورد میں مشغول ہوں اور یہ ورد ظاہری زبان سے نہیں باطن کی زبان سے کیا جائے۔ اس نماز میں امام عشق ہوتا ہے جو جان کے محراب میں کھڑا ہوتا ہے۔ اس نماز کا قبلہ حضرت احدیت، اور جمال صمدیت ہے اور یہی اصلی کعبہ ہے۔ دل اور روح علی الدوام اس نماز کو ادا کرتے ہیں۔ دل نہ تو سوتا ہے اور نہ مرتا ہے وہ نیند اور بیداری دونوں حالتوں میں حیات قلبی کے ساتھ بلاصوت، قیام اور قعود اس نماز کی ادائیگی میں مشغول رہے۔ اور بارگاہ خداوندی میں عرض کناں رہے۔

ایاک نعبد وایاک نستعین (الفاتحہ :5)[۸]

”تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں“

یہ درخواست حضور ﷺ کی اتباع میں ہوتی ہے۔ حضرت قاضی (بیضاوی) رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر[۹] میں لکھتے ہیں۔ اس آیت کریم میں عارف کے حال کی طرف اشارہ ہے۔ وہ حال (کیفیت قلبی) غیبت سے حضور کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اس خطاب کا مستحق بن جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

اَلْاَنْبِيَاءُ وَالْاَوْلِيَاءُ يُصَلُّوْنَ فِىْ قُبُوْرِهِمْ كَمَا يُصَلُّوْنَ فِىْ بُيُوْتِهِمْ[۱۰]

”انبیاء اور اولیاء اپنی قبروں میں بھی اسی طرح نماز پڑھتے ہیں

جس طرح اپنے گھروں میں نمازیں ادا کرتے ہیں"

مطلب یہ ہے کہ ان کے دل زندہ ہیں اس لیے، وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی مناجات میں مشغول رہتے ہیں۔ جب شریعت اور طریقت کی نماز جمع ہو جائے تو نماز مکمل ہو گئی۔ یعنی ایسے آدمی کی نماز ادا ہو چکی۔ ایسے آدمی کو اللہ تعالیٰ روحانی طور پر اپنا قرب بخشتا ہے اور ثواب بھی عطا کرتا ہے۔ ایسا شخص ظاہر میں عابد اور باطن میں عارف ہوتا ہے[۱۱] اور جب طریقت کی نماز حیات قلب کے ذریعے ادا نہیں ہوتی تو اجر ثواب کی صورت میں ملتا ہے قربت کی صورت میں نہیں۔

حواشی

۱۔ علامہ جرجانی (التعریفات ص 175) فرماتے ہیں صلاۃ لغت میں دعا کو کہتے ہیں شرعاً اس سے مراد ارکان مخصوصہ اور اذکار مخصوصہ کو مخصوص شرائط کے ساتھ مقررہ اوقات میں ادا کرنا ہے۔

۲۔ حاشیہ (ظ) میں مذکور ہے بعض علماء کبار فرماتے ہیں: قیام انسانیت کا خاصہ ہے۔ رکوع حیوانیت کا سجود نباتات کا اور قعود جمادات کا۔ شیخ محمود آفندی اسکداری لکھتے ہیں قیام اشارہ کرتا ہے کہ نمازی نے بشری اوصاف کے حجابات سے خلاصی حاصل کرلی ہے۔ ان میں سے سب سے بڑا وصف بشری تکبر ہے جو آگ کی خاصیت ہے۔ رکوع میں یہ اشارہ ہے کہ نمازی نے نباتاتی طبیعت کے حجابات سے رہائی پالی ہے۔ نباتاتی طبیعت کا بڑا حجاب حرص ہے۔ اسی لیے دیکھنے میں یہ بات آئی ہے کہ نباتات خوراک جذب کر کے نشوونما پاتے ہیں۔ اور یہ پانی کی خاصیت ہے۔ تشہد میں جماداتی طبعیت کے پردوں سے چھٹکارے کی طرف اشادہ ہے۔ جمادات کی سب سے بڑی خاصیت جمود ہے۔ اور جمود مٹی کا خاصہ ہے۔ انہیں مذکورہ صفات سے بقیہ بشری صفات پروان چڑھتی ہیں۔ جب انسان ان رکاوٹوں اور حجابات سے خلاصی پالیتا ہے، اور ان چار مدراج کے ذریعے رب العالمین کے پڑوس کی طرف ترقی کرتا ہے تو وہ نماز ادا کرتا ہے اور کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ رب سے روبرو کلام کرتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ "اگر نمازی کو معلوم ہو کہ وہ کس سے گفتگو کر رہا ہے تو ادھر ادھر متوجہ نہ ہو"

۳۔ حضرت سعدی ابو حبیب "القاموس" ص 216 پر لکھتے ہیں اکثر علماء صحابہؓ وغیر ہم کے نزدیک اور مذہب حنفی، حنبلی، ظاہری اور شافعی میں درمیانی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے۔ جبکہ زید بن ثابت، عائشہ، اسامہ بن زید، ابو سعید خدری اور حضرت علی المرتضیٰ علیھم الرضوان کے نزدیک درمیانی نماز ظہر کی نماز ہے۔ حضرت ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، معاذؓ، جابرؓ، عطاءؒ عکرمہؒ، مجاھدؒ کے نزدیک اور مالکی، شافعیؒ، جمہور صحابہؓ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد صبح کی نماز ہے۔ جبکہ بعض دوسرے صحابہؓ، سعید بن میسّب فرماتے ہیں اس سے مراد مغرب کی نماز ہے۔ بعض علماء کا ارشاد ہے کہ درمیانی نماز عشاء کی نماز ہے فقہ جعفریہ میں بھی آخری قول کو ترجیح ہے۔

۴۔ اسے امام غزالی نے الاحیاء ج 102/1 میں نقل کیا ہے۔ صحیح مسلم کتاب القدر۔ باب۔ تصریف اللہ تعالیٰ القلوب کیف یشاء 2654 حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنھما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا: "تمام بنی آدم کے دل اللہ رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی مانند ہیں وہ انہیں پھیر دیتا ہے جس طرف چاہتا ہے" پھر حضور ﷺ نے دعا کی اَللّٰھُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِکَ "اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دل کو اپنی فرمانبرداری کی طرف پھیر دے"

۵۔ حاشیہ (ظ) میں ہے شیخ محمود آفندی اسکداری آیت واقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر (العنکبوت :45) کے بارے فرماتے ہیں بدنی نماز معصیات اور سیأت شرعیہ سے بچاتی ہے اور نفس کی نماز رذائل اور اخلاق ردیہ سے محفوظ رکھتی ہے۔ (ایک نماز دل اور سر کی بھی ہے) دل کی نماز فضول کاموں اور غفلت سے بچاتی ہے جبکہ سر کی نماز التفات الی الغیر سے بھی محفوظ رکھتی ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ "اگر نمازی کو معلوم ہو کہ وہ کس سے ہمکلام ہے تو کسی اور طرف متوجہ نہ ہو" روح کی نماز سرکشی سے بچاتی ہے اور یہ نماز صفات کے ذریعے دل کے وضو سے ادا ہوتی ہے جس طرح دل کی نماز ظہور نفس سے اسے پاک کر کے ادا کی جاتی ہے۔ نماز خفی دوئی اور ظہور انانیت سے جبکہ ذات کی نماز تلون کے ساتھ ظہور بقیہ سے محفوظ رکھتی ہے۔ جس نے یہ نمازیں ادا کر لیں وہ تمام گناہوں اور خطاؤں سے خلاصی پا گیا۔

یہ حدیث ہمیں ان الفاظ میں نہیں ملی۔ صحیح ابن حبان کی ایک حدیث اس کی شاھد ہے (کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرمایا میں نے حضور انور علیہ ﷺ کو فرماتے سنا "ایک آدمی نماز پڑھتا ہے اور شاید اس کا دسواں، نواں، آٹھواں، ساتواں یا چھٹا حصہ قبول ہوتا ہے حتی کہ آپ نے اور بھی کم درجوں کا ذکر فرمایا اور کہا نمازی کو صرف اسی نماز کا ثواب ملتا ہے جس میں اس کا ذھن حاضر ہوتا ہے" امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (الاحیاء ج 160/1) بشر بن الحارث سے یہ قول روایت کیا جاتا ہے۔ جس میں خشوع نہیں اس کی نماز فاسد ہے حضرت حسن سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ہر نماز جس میں دل حاضر نہ ہو وہ بہت جلد سزا کی طرف لے جانے والی ہے۔ امام غزالی لکھتے ہیں حضور قلب نماز کی روح ہے۔ تکبیر کے وقت بھی حضور قلب کم از کم نماز کو زندہ رکھتا ہے۔ اس سے بھی اگر کم ہو جائے تو گویا نماز ھلاک ہو جاتی ہے۔ اگر حضور قلب زیادہ ہو تو اسی قدر اجزاء نماز میں روح تروتازہ ہوتی جائے گی۔

۶۔ پوری حدیث یوں ہے۔ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا علیہ ﷺ کو فرماتے سنا: "حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشکوک ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے جو ان مشکوک چیزوں سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا اور جو ان کا مرتکب ہوا تو اس کی مثال ایسے چرواہے کی ہے جو کھیت کے اردگرد چراتا ہے کسی وقت بھی اس میں داخل ہو سکتا ہے۔ یاد رکھیے! ہر ایک بادشاہ کی ایک محفوظ چراگاہ ہوتی ہے۔ ہاں ہاں! زمین میں اللہ کی محفوظ چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ دیکھو! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے" جب وہ صحیح ہو جائے تو پورا جسم صحیح ہو جاتا ہے اور جب بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے۔ ہاں گوشت کا وہ لوتھڑا دل ہے (صحیح بخاری۔ کتاب الایمان باب: فضل من استبرأ لدینہ) مزید دیکھیے ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ کی "جامع الاصول" ج 567/10 حافظ ابن حجر الفتح ج 129/1 میں فرماتے ہیں علماء کے نزدیک یہ حدیث بڑی عظمت کی حامل ہے چوتھائی حصہ احکام اسی حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں امام قرطبی لکھتے ہیں۔ چونکہ یہ حدیث حلال وغیرہ کی تفصیل اور اعمال بالقلب کے بیان سے تعلق رکھتی ہے اس لیے اسے تمام احکام کا محور قرار دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

۷۔ صحیح البخاری کتاب الجماعۃ والامامۃ۔ باب فضل صلاۃ الجمعۃ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ

عنہ سے مروی ایک حدیث نقل کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ آدمی کا باجماعت نماز ادا کرنا گھر میں اور بازار میں نماز ادا کرنے سے پچیس درجے زیادہ ثواب کا حامل ہے۔ یہ اس لیے کہ وہ اچھی طرح وضو کرتا ہے۔ پھر گھر سے مسجد کو جاتا ہے۔ اس کا یہ نکلنا صرف نماز کیلئے ہوتا ہے۔ اسے ہر ہر قدم پر ایک ایک درجہ ملتا ہے اور ایک ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ پھر جب نماز شروع کرتا ہے تو جب تک نماز پڑھتا رہتا ہے فرشتے اس کے لیے رحمت و برکت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور کہتے رہتے ہیں۔ اے اللہ! اس شخص پر کرم فرما! مولا! اس پر رحمت فرما! اور جب تک تم میں سے کوئی نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے وہ نماز پڑھنے والا شمار ہوتا ہے۔

۸۔ امام قشیری (الرسالہ: ص 72) فرماتے ہیں لیاک نعبد شریعت کی حفاظت اور ایاک نستعین حقیقت کا اقرار ہے۔ شریعت عبودیت کے التزام کا امر ہے اور حقیقت مشاہدۂ ربوبیت ہے۔ شیخ محمود افندی اسکداری فرماتے ہیں کہ حقیقت ربوبیت کو دل سے دیکھنا ہے۔ اس کی تعبیر یہ بھی ہے کہ شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف چلنے کی معرفت ہے۔ اور حقیقت ہمیشہ اللہ تعالیٰ (کی صفات) کو دیکھنا ہے۔ جبکہ طریقت شریعت کی راہ پر چلنا یعنی اس کے تقاضوں کو نبھانا ہے۔ بعض لوگ حقیقت اور شریعت میں کوئی فرق روا نہیں رکھتے۔ شریعت حقیقت کا ظاہر ہے اور حقیقت شریعت کا باطن ہے۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتیں۔

۹۔ انوار التنزیل واسرار التاویل۔ بیضاوی، ج 31/1

۱۰۔ تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

۱۱۔ امام قشیری (الرسالہ ص 244-245) لکھتے ہیں کہ حضرت شبلی کا ارشاد ہے: عارف غیر کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ نہ اس کی زبان پر کسی غیر کا ذکر آتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سواء وہ کسی کو اپنا محافظ دیکھتا ہے۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں۔ کہ عارف وہ ہے جس کے اندر سے خدا بولتا ہے۔ حالانکہ وہ خود خاموش دکھائی دیتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی سے عارف کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا۔ عارف وہ ہے جو نہ نیند میں غیر کو دیکھے اور نہ بیداری میں۔ نہ غیر اللہ سے وہ موافقت رکھے اور نہ کسی غیر اللہ پر نظر رکھے۔

پندرھویں فصل

عالمِ تجرید میں معرفت کی طہارت :۔

طہارتِ معرفت کی دو قسمیں ہیں۔ معرفۃ الصفات کی طہارت اور معرفۃ الذات کی طہارت۔

معرفت صفات کی طہارت :۔

یہ طہارت صرف تلقین اور اسماء کے ذریعے دل کے آئینے کو نفوس بشری اور حیوانی سے پاک کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ پس جب دل صاف ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نور سے دل کی آنکھ بینا ہو جاتی ہے تو انسان دل کے آئینے میں جمالِ خداوندی کے عکس کو صفات کے نور سے دیکھنے لگتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ[1]

"مؤمن اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے"

اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُؤْمِنِ[2]

"مؤمن، مؤمن کا آئینہ ہے"

کسی شخص کا قول ہے "عالم نقش بٹھاتا ہے اور عارف صیقل کرتا ہے"

جب اسماء کے مسلسل ورد سے تصفیہ مکمل ہو جاتا ہے تو صفات کی معرفت مکمل ہو جاتی ہے کیونکہ ان صفات کا انسان دل کے آئینے میں مشاہدہ کرتا ہے۔

معرفت ذات کی طہارت :۔

یہ طہارت فی السّر ہے۔اسے حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان بارہ اسماءِ توحید میں سے آخری تین اسماءِ توحید کو نور توحید سے باطن کی آنکھ سے مسلسل ملاحظہ کرے پس جب انوار ذات کی تجلی ہو گی تو بشریت پگھل جائے گی اور مکمل فنا ہو جائے گی۔ یہ مقام استھلاک اور فناء الفناء ہے۔ یہ تجلی تمام انوار کو مٹا دیتی ہے جیسا کہ اللہ کریم کا ارشاد ہے۔

كُلُّ شَيْئٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص :88)

"ہر چیز ھلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے"

جب سب کچھ فنا ہو جاتا ہے تو نور قدس کے ساتھ صرف روح قدسی باقی رہ جاتی ہے اور ہمیشہ دیدار میں مشغول رہتی ہے۔ یہ روح اسی کے ساتھ اس سے اس کی طرف دیکھنے والی ہوتی ہے۔ پس وہ بلا کیف و تشبیہ اس روح کی رہنمائی کرتا ہے۔ کیونکہ

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ 11)

"نہیں ہے اس کی مانند کوئی چیز"

پس محض نور مطلق باقی رہ جاتا ہے۔ اس سے آگے کی کوئی خبر نہیں دے سکتا۔ کیونکہ وہ عالم محو ہے۔ وہاں عقل نہیں رہ سکتی کہ کچھ خبر دے اور نہ وہاں غیر اللہ کی رسائی ہو سکتی ہے جیسا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَايَسَعُ فِيْهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَانَبِیٌّ مُرْسَلٌ[۳]

"اللہ تعالیٰ کی معیت میں میرے لیے ایک ایسا وقت (بھی مخصوص کیا گیا) ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتے کی گنجائش ہے اور نہ ہی نبی مرسل کی"

یہ عالم تجرید ہے۔ وہاں کوئی غیر نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حدیث قدسی

ہے۔

تَجَرَّدْ تَصِلْ [4] (صفات بشری سے) تجرد حاصل کر (مقصود تک) پہنچ جائے گا" تجرد سے مراد صفات بشری سے مکمل فنا ہونا ہے۔ پس وہ عالم تجرید میں خدائی صفات سے متصف ہوگا جیسا کہ حضور علیہ السلام ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ [5]

"خدائی اخلاق کو اپنالو"

یعنی صفات خداوندی سے متصف ہو جاؤ۔

حواشی

۱۔ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ دیلمی نے اسے الفردوس میں حضرت ابن عباس کے حوالے سے نقل کیا ہے تتمہ حدیث یہ ہے "عزوجل الذی خلق منه" ترمذی (الجامع الصحیح کتاب تفسیر القرآن۔ باب و من سورۃ الحجر) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن کی فراست سے ڈرو۔ وہ نور الٰہی کے ساتھ دیکھتا ہے" پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی :۔اِنَّ فِی ذَالِکَ لَآیَات لِلْمُتَوَسِّمِیْن (الحجر :75) دیکھیے جامع الاصول از ابن اثیر ج205-206 مناویؒ "فیض القدیر" ج1/143 پر لکھتے ہیں۔ یعنی بندۂ مؤمن دل کی آنکھ سے دیکھتا ہے جو نور خداوندی سے روشن ہوتی ہے۔ دل کو روشن کرنے سے فراست صحیح ہو جاتی ہے کیونکہ اس کی حیثیت اس شیشے کی ہے جس سے معلومات ظاہر ہوتی ہیں۔

۲۔ اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

۳۔ اس کی تخریج گذشتہ صفحات میں ہو چکی ہے۔

۴۔ یہ حدیث ہمیں نہیں ملی

۵۔ اس کی تخریج بھی گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے

سولھویں فصل

شریعت اور طریقت کی زکوٰۃ[1]

شریعت کی زکوٰۃ :۔

اس سے مراد دنیا کے مال سے ایک مقررہ حصہ سال میں صرف ایک بار معین[2] نصاب سے مصارف زکوٰۃ کو دیا جاتا ہے۔

طریقت کی زکوٰۃ :۔

دنیا کے فقیروں اور آخرت کے مسکینوں میں محض اللہ تعالیٰ کی خاطر اعمال آخرت کو لٹادینا طریقت کی زکوٰۃ ہے۔

زکوٰۃ شریعت کو قرآن کریم میں صدقہ کہا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاکِیْن (التوبہ :60)

"زکوٰۃ تو صرف ان کے لیے ہے جو فقیر، مسکین ہو"

اسے صدقہ اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ مال فقیر اور مسکین کے ہاتھ میں جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے دست جود و سخا میں پہنچ جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اسے فوراً قبول فرمالیتا ہے۔

رہی طریقت کی زکوٰۃ تو وہ دائمی ہے۔ (اس میں دنیاوی مال نہیں) بلکہ کسب آخرت اللہ کی خوشنودی کے لیے گناہ گاروں کو دے دیا جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کی نمازیں، زکوٰۃ، روزے، حج، تسبیح و تہلیل،۔ تلاوت کلام مجید اور

سخاوت وغیرہ نیکیوں کا ثواب گناہ گاروں کو دے دیتا ہے جس سے ان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بندۂ مؤمن اپنے نامہ اعمال میں کچھ باقی نہیں چھوڑتا۔ خود مفلس ہو جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس شخص کی سخاوت اور افلاس پر نظر پسندیدگی فرماتا ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

المفلس فی امان اللّٰه فی الدارین

''مفلس دونوں جہان میں اللہ کی امان میں ہوتا ہے''

بندہ اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے سب اس کے آقا کا ہے۔ قیامت کے روز اسے ہر نیکی پر دس گنا اجر ملے گا۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام :160)

''جو کوئی لائے گا ایک نیکی تو اس کے لیے دس ہونگی اس کی مانند''

زکوٰۃ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ دل کو نفس کی صفت سے پاک کیا جائے جیسا کہ رب قدوس ارشاد فرماتا ہے۔

مَنْ ذَاالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضَاعِفُهٗ لَهٗ اَضْعَافًا کَثِیْرَةً (البقرہ :245)

قرض سے مراد یہ ہے کہ اپنی تمام نیکیاں مخلوق پر احسان کے جذبے سے محض اللہ کی خوشنودی کے لیے دیدے۔ اور اس پر کسی قسم کا احسان نہ جتلائے۔ جیسا کہ فرمایا:

لَا تُبْطِلُو اصَدَقَاتِکُمْ بِالْمَنِ وَالَاذیٰ (البقرہ :264)

''مت ضائع کرو اپنے صدقوں کو احسان جتلا کر اور دکھ پہنچا کر''

اور نہ ہی دنیا میں کسی عوض کا طالب ہو۔ یہ انفاق فی سبیل اللہ کی ایک قسم ہے۔

لَنْ تَنَالُوْ االْبِرَّحتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران :92)

''ہرگز نہ پاسکو گے تم کامل نیکی (کا رتبہ) جب تک نہ خرچ کرو (راہ خدا میں) ان چیزوں سے جن کو تم عزیز رکھتے ہو''

حواشی

۱۔ لغت میں زکوٰۃ کا معنی برکت، نمو، صفائی، طہارت، ستائش اور صلاح ہے۔ تمرتاشی "تنویر الابصار میں لکھتے ہیں شریعت کی رو سے شارع علیہ السلام کی معینہ مقدار میں سے ایک جزء مال کا کسی مسلم فقیر کو مالک بنانا زکوٰۃ ہے بشرطیکہ یہ مسلم فقیر نہ ہاشمی ہو۔ نہ ہاشمی کا غلام ہو۔ اور دینے والے کے قبضے سے اس مال کی منفعت مکمل نکل جائے۔ اور یہ عطا محض اللہ کے لیے ہو۔

۲۔ ھیثمی "المجمع" ج 65/3 پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جو قوم معاہدہ کی خلاف ورزی کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر دشمن کو مسلط کر دیتا ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ (قانون) سے ہٹ کر فیصلہ دیتے ہیں ان میں موت عام ہو جاتی ہے۔ جو زکوٰۃ روکتے ہیں ان کو قحط سالی کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو ڈنڈی مارتے ہیں تو ان سے ہریالی کو روک لیا جاتا ہے اور انہیں قحط کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ قطرے قطرے اور دانے دانے کو ترس جاتے ہیں" فرماتے ہیں کہ اسے طبرانی نے "الکبیر" میں ذکر کیا ہے۔

سترھویں فصل

شریعت اور طریقت کا روزہ[1]

شریعت کا روزہ :۔

دن کے وقت کھانے پینے اور جماع سے رکنا شریعت کا روزہ ہے۔

طریقت کا روزہ :۔

ظاہر اور باطن میں تمام اعضاء کو محرمات، مناھی اور ذمائم سے روکنا طریقت کا روزہ کہلاتا ہے محرمات و مناھی اور ذمائم مثلاً خود پسندی، تکبر، بخل وغیرہ طریقت کے روزے کو باطل کر دینے والی چیزیں ہیں۔

شریعت کے روزے کے لیے وقت مقرر ہے جبکہ طریقت کا روزہ پوری عمر کے لیے ابدی ہے[2] اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا :

"رُبَّ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِہٖ اِلَّا الْجُوْعِ ......"[3]

"کئی روزہ دار ایسے ہیں جنہیں بھوک کے سواء روزوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا"۔

اسی لیے یہ مقولہ مشہور ہے کہ کئی روزہ دار مفطر (روزہ نہ رکھنے والے) ہوتے ہیں اور کئی مفطر روزہ دار"۔ یعنی اپنے تمام اعضاء کو گناہوں سے بچاتے ہیں اور کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتے۔ حدیث قدسی ہے۔

اِنَّ الصَّوْمَ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ[4]

"بیشک [illegible]

جزا دوں گا"

رب قدوس نے فرمایا (حدیث قدسی)

يَصِيرُ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ، فَرْحَةٌ عِنْدَالْاِفْطَارِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ رُؤْيَةِ جَمَالِيْ [۵]

"روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی تو افطار کے وقت کی ہے اور دوسری خوشی میرے جمال کی دید کے وقت کی ہے"

اہل شریعت کے نزدیک افطار غروب آفتاب [۶] کے وقت کچھ کھا پی لینا ہے اور عید کی رات چاند کا نظر آنا ہے لیکن اہل طریقت کہتے ہیں۔ افطار جنت کی نعمتوں سے ہو گا جبکہ رب قدوس کے فضل سے انسان جنت میں داخل ہو گا۔ دیدار کے وقت کی مسرت سے مراد یہ ہے کہ بندۂ مؤمن قیامت کے روز اللہ کریم سے ملاقات کرے گا اور اسے باطن کی آنکھ سے روبرو دیکھے گا تو اسے خوشی و مسرت حاصل ہو گی۔

روزے کی ایک تیسری قسم بھی ہے جسے حقیقت کا روزہ کہتے ہیں۔

حقیقت کا روزہ :۔

اس سے مراد جاں کا محبت غیر سے رکنا ہے اور سرّ کا مشاہدۂ غیر کی محبت سے رکنا ہے۔ حدیث قدسی ہے۔

الانسان سری وانا سرہ [۷]

"انسان میرا راز اور میں اس کا راز ہوں"

یہ سرّ نور خداوندی سے ہے یہ کسی غیر کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ اور اللہ کے سواء اس کا کوئی اور محبوب۔ مرغوب اور مطلوب بھی نہیں ہے۔ نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ جب غیر کی محبت آگئی تو حقیقت کا روزہ فاسد ٹھہرا۔ اس روزے کی قضا صرف ایک صورت میں ہو سکتی ہے کہ انسان اللہ کریم کی طرف لوٹ آئے اور اس سے ملاقات کرنے کی کوشش کرے اس روزے کا صلہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات ہے۔

حواشی

۱۔ لغت میں صوم کسی کام یا بات سے رکنے کو کہتے ہیں۔ علامہ جرجانی (التعریفات ص 178) میں فرماتے ہیں۔ صوم شریعت میں مخصوص امساک (رکنا) سے عبارت ہے۔ اس سے مراد روزہ کی نیت سے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے رکنا ہے۔ تمرتاشی "تنویر الابصار" میں اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ روزہ مخصوص وقت میں مفطراتِ حقیقی یا حکمی سے اپنے آپ کو روکنا ہے۔ اس میں نیت شرط ہے۔ اطفیش فرماتے ہیں مکلف کا اللہ کی رضا کے لیے بالنیۃ کھانے، پینے سے اور جو پیٹ میں پہنچتی ہیں ان سے۔ پانی کسی طرح اندر پہنچانے سے، لطف اندوز ہونے اور جماع کرنے نیز کبار سے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک رکنا روزہ ہے۔

۲۔ البشیہیتی (المستطرف ج 28/1) لکھتے ہیں کہ کسی شخص کا قول ہے روزہ تین قسم کا ہے۔ ایک عام ہے دوسرا خاص ہے۔ اور تیسرا اخص الخاص ہے۔ عام روزہ تو یہ ہے پیٹ شرمگاہ اور تمام جوارح کو ان کے تقاضوں کو پورا کرنے سے انسان روک لے۔ خاص روزہ یہ ہے۔ آنکھ، کان، زبان، ہاتھ پاؤں اور تمام اعضاء کو گناہ سے روک لے۔ اور اخص الخاص روزہ یہ ہے کہ دل میں دنیوی باتوں کا خیال بھی نہ آئے اور انسان اپنے آپ کو ہر ایک ماسوا اللہ سے روک لے۔

۳۔ تتمہ حدیث یہ ہے " وَرَبَّ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مَنْ قِيَامِهِ اَلَّا السَّهْرُ" دیکھیے سنن ابن ماجہ ۔ کتاب الصوم باب ماجاء فی الغیبۃ والرفث للصائم۔ امام غزالی (الاحیاء ج 235/1) فرماتے ہیں اس سے مراد وہ شخص ہے جو حرام چیز کے ساتھ افطار کرتا ہے۔ ایک قول یہ ہے۔ جو حلال چیزوں سے تورکا رہتا ہے مگر غیبت کر کے لوگوں کے گوشت کے ساتھ افطار کر دیتا ہے۔ غیبت حرام ہے۔ ایک قول کے مطابق اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے اعضاء کو گناہ سے محفوظ نہیں رکھتا۔

۴۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ (کتاب الصیام باب فضل الصیام) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے تتمہ حدیث یوں ہے۔ "روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ جب افطار کرتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور جب اللہ کریم سے شرف ملاقات حاصل ہو گا تو خوش ہو گا۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے روزہ دار کے منہ کی بو مشک کی مہک سے عند اللہ زیادہ پسندیدہ

ہے علامہ نووی شرح صحیح مسلم ج 32-31/8 میں فرماتے ہیں کہ علماء کا ارشاد ہے ملاقات خداوندی کے وقت اسے اس لیے خوشی ہوگی کہ وہ روزے کی جزاء کو دیکھے گا اور اللہ تعالٰی کی نعمت توفیق کو یاد کرے گا۔ افطار کے وقت خوشی اس لیے کہ عبادت مکمل ہو چکی ہوتی ہے اور روزہ مفسدات سے بچ جاتا ہے اور ثواب کی امید قوی ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

۵۔ اس سے پہلی حدیث کی تخریج ملاحظہ کریں

۶۔ حاشیہ (ظ) میں مذکور ہے: مروی ہے کہ ایک عورت بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئی اور عرض کناں ہوئی اے اللہ کے رسول! میں بھوکی ہوں اور روزہ دار ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو روزہ دار نہیں البتہ بھوکی ہے۔ یہ عورت لوگوں کی غیبت کرتی رہی تھی۔ دوسری بار آئی اور وہی بات دھرائی۔ حضور ﷺ نے بھی وہی جواب دیا۔ پھر گھر میں بیٹھ گئی اور دل میں کہا یہ ساری خرابی میری زبان کی ہے۔ دروازہ بند کر لیا اور لوگوں کا ذکر کیا بھی تو خیر سے۔ پھر حاضر خدمت ہوئی اور عرض کیا۔ (حضور!) میں روزہ دار ہوں اور بھوکی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے سچ کہا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ اسے کھانا کھلاؤ۔

۷۔ یہ حدیث ہمیں نہیں ملی۔

اٹھارویں فصل

شریعت وطریقت کا حج[1]

حج کی دو قسمیں ہیں۔ حج شریعت اور حج طریقت

حج شریعت :۔

یہ حج بیت اللہ شریف سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے مخصوص ارکان[2] اور شرائط ہیں۔ ان شرائط اور ارکان کو ادا کرنے سے حج کا ثواب ملتا ہے۔ اور جب کوئی شرط پوری نہ ہو سکے تو ثواب میں کمی آجاتی ہے۔ کیونکہ رب قدوس کا حکم ہے حج مکمل کرو۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (البقرہ :196)
"اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ (کی رضا) کیلئے"

حج شریعت کی شرائط میں سے اولاً احرام ہے۔ پھر مکہ میں دخول ہے، پھر طواف قدوم، پھر وقوف عرفہ اور مذدلفہ پھر منیٰ میں قربانی۔ اس کے بعد حرم پاک میں دوبارا حاضری اور کعبۃ اللہ شریف کا سات چکروں میں طواف ہے۔ پھر حاجی زمزم کا پانی پیتے ہیں اور مقام ابراہیم علیہ السلام پر دو رکعت نفل نماز ادا کرتے ہیں۔ آخر میں احرام کھول دیا جاتا ہے اور اب شکار وغیرہ احرام کی صورت جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دے دی تھیں حلال ہو جاتی ہیں۔ اس حج کا صلہ جہنم سے آزادی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے امن ہے۔ جیسا کہ کلام مجید سے ظاہر ہے۔

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا (آل عمران :97)

"اور جو بھی داخل ہوا اس میں ہو جاتا ہے (ہر خطرہ سے) محفوظ"

طواف[3] صدور کے بعد لوگ وطن[4] لوٹتے ہیں۔

حج طریقت :۔

حج طریقت کی راہ میں زاد راہ اور سواری صاحب تلقین (مرشد کامل) کی تلاش اور اس سے اخذ فیض ہے۔ یہی پہلا قدم ہے۔ اس کے بعد مسلسل ذکر بالسان اور اس کے معنی کو سامنے رکھنا ہے حتی کہ دل زندہ ہو جائے اس کے بعد باطنی ذکر کی باری آتی ہے یہاں تک کہ اسماء صفات کے مسلسل ورد سے من صاف ہو جائے۔ ایسے میں کعبہ سرّ انوار صفات کے ذریعے سامنے آجاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ سب سے پہلے کعبۃ اللہ کو صاف ستھرا کرو۔

وَعَهِدْنَا اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ (البقرہ :165)

"اور ہم نے تاکید کر دی ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) کو کہ خوب صاف ستھرا رکھنا میرا گھر طواف کرنے والوں کیلئے"

کعبہ ظاہر اس لیے صاف کیا جاتا ہے کہ طواف کرنے والے لوگ آئیں گے جو کہ مخلوق ہیں جبکہ کعبہ باطن اللہ تعالیٰ کیلئے صاف ہوتا ہے۔ باطن کے کعبہ کو غیر کے خیال سے صاف کر کے اسے اللہ تعالیٰ کی تجلی کے قابل بنایا جاتا ہے۔ پھر روح قدسی کا احرام باندھا جاتا ہے۔ پھر دل کے کعبہ میں حاضری دی جاتی ہے۔ اسم ثانی کے ورد سے طواف قدوم ہوتا ہے۔ عرفات قلب میں حاضری ہوتی ہے۔ جو کہ ہم کلامی خدا کا مقام ہے۔ یہاں تیسرے اور چوتھے اسم مسلسل ورد کر کے وقوف کیا جاتا ہے۔ پھر عارف جان کے مزدلفہ میں جاتا ہے۔ پانچویں اور چھٹے اسم کا اکٹھا ورد کرتا ہے۔ اس کے بعد "منی سرّ" کو جاتا ہے جو کہ دونوں حرموں کے درمیان واقع ہے۔ یہاں کچھ دیر کے لیے ٹھہرتا ہے پھر ساتویں اسم

کے ورد کے ساتھ نفس مطمئنہ کی قربانی دیتا ہے کیونکہ ساتواں اسم اسم فناء ہے۔ کفر کے حجابات اٹھ جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلْکُفْرُ وَالْاَیْمَانُ مَقَامَانِ مِنْ وَرَاءِ الْعَرْشِ وَهُمَا حِجَابَانِ بَیْنَ الْعَبْدِ وَبَیْنَ الْحَقِّ اَحَدُ هُمَا اَسْوَدُ وَالثَّانِیْ اَبْیَضُ [5]

"کفر اور ایمان عرش سے آگے دو مقام ہیں۔ یہی حق اور بندے کے درمیان دو حجاب ہیں۔ ان میں سے ایک کا رنگ سیاہ ہے اور دوسرے کا رنگ سفید"

اس کے بعد حج طریقت ادا کرنے والا آٹھویں اسم پر ملازمت اختیار کر کے روح کو صفات بشری سے صاف کر کے حلق کرواتا ہے۔ پھر نویں اسم پر ملازمت اختیار کرتا ہے اور حرم باطن میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اعتکاف کرنے والوں کو سامنے دیکھتا ہے۔ اور دسویں اسم کے مسلسل ورد سے بساط قربت وانس میں معتکف ہو جاتا ہے۔ پھر انسان جمال صمدیت کو بلا کیف و تشبیہ دیکھتا ہے۔ گیارھویں اسم کی ملازمت کے ساتھ سات چکر لگا کر طواف کرتا ہے۔ اس گیارھویں اسم کے ساتھ چھ فروعی اسماء بھی ہوتے ہیں۔ طواف کر چکنے کے بعد وہ دست قدرت سے (خاص مشروب) پیتا ہے جیسا کہ رب قدوس کا ارشاد ہے۔

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (الانسان : 21)

"اور پلائے گا انہیں ان کا پروردگار نہایت پاکیزہ شراب"

یہ شراب بارھویں اسم کے پیالے میں بھری ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے چہرۂ اقدس سے نقاب الٹ دیتا ہے اور انسان اس کے نور کے ساتھ اس کا دیدار کرتا ہے۔ یہی مفہوم ہے اس حدیث قدسی کا۔ "نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہو گا......" یعنی ملاقات خداوندی کا منظر "......نہ کسی کان نے سنا ہو گا......" یعنی حرف و صوت کے واسطے کے بغیر کلام خداوندی۔ "......نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال گزرا ہو گا......" یعنی دیدار اور ہمکلامی خدا کا ذوق۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں

حلال ہو جاتی ہیں۔ یعنی برائیاں نیکیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ یہاں اسمائے توحید کا تکرار ہوتا ہے جیسا کہ رب قدوس کا ارشاد ہے۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّأتِهِمْ حَسَنَاتٍ (الفرقان :70)

''مگر وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے تو یہ وہ لوگ ہیں بدل دے گا اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے''

پھر انسان تصرفات نفسانی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اسے کسی چیز کا خوف اور کوئی حزن نہیں رہتا۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔

اَلَااِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس :62)

''سنو! اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے''

رَزَقَنَا اللّٰهُ وَاِيَّاكُمْ بِفَضْلِهٖ وَكَرَمِهٖ

پھر تمام اسماء کا ورد کر کے طواف صدور کرتا ہے اور آخر میں اپنے اصلی وطن کی طرف لوٹ آتا ہے جو عالم القدسی میں ہے اور جہاں اسے معتدل صورت میں پیدا کیا گیا تھا۔ یہ عالم الیقین سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ تاویلات کلام و عقل کے دائرہ میں آنے والی ہیں۔ اس سے آگے کی خبر دینا ممکن نہیں۔ کیونکہ عقل و فہم اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ اور خیالات کی وہاں تک رسائی نہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنَّ مَنَ الْعِلْمِ كَهَيْئَةِ الْمَكْنُوْنِ لَايَعْلَمُهَا اِلَّا الْعُلَمَاءُ بِاللّٰهِ فَاِذَا نَطَقُوْا بِهٖ لَمْ يُنْكِرْهُ اِلَّا اَهْلُ الْغِرَّةِ

''ایک علم وہ بھی ہے جو چھپے ہوئے خزانے کی طرح ہے جس سے صرف ''علماء باللہ'' ہی واقف ہیں۔ جب یہ علماء اس علم میں گفتگو کرتے ہیں تو کوئی انکار نہیں کرتا سوائے گم کردہ راہ لوگوں کے''

عارف اس سے کم کی بات کرتا ہے اور "عالم باللہ" اس سے آگے کی بات کرتا ہے۔ عارف کا علم سر خداوندی ہے جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

ولا یخیطون بشیء من علمه الا بماشاء
(البقرہ :255)

"اور وہ نہیں گھیر سکتے کسی چیز کو اس کے علم سے مگر جتنا وہ چاہے"

فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السرّ وَاَخفی. اللّٰهُ لَااِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی (طہ : 8)

"وہ تو بلاشبہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور دل کے بھیدوں کو بھی۔ اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے۔ اس کے لیے بڑے خوبصورت نام ہیں"

حواشی

۱۔ لغت میں حج کسی قابل تعظیم چیز کا ارادہ کرنا ہے۔ شریعت میں بقول الدسوقی (حاشیہ علی الشرح الکبیر) حج نام ہے دسویں ذالحجہ کی رات کو عرفہ میں ٹھہرنے، سات چکروں میں بیت اللہ کا طواف کرنے اور سات چکروں میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کا وقوف، طواف اور سعی کا خصوصی طریقہ ہے۔ حسین سیاغی "الروض النضیر" ج 120/3 میں لکھتے ہیں: حج نام ہے اللہ کی رضاجوئی کیلئے افعال مخصوصہ کے ساتھ ایام مخصوصہ میں مکان مخصوص پر بیت اللہ شریف کے قصد کرنے کا۔ حج اور عمرہ کی ادائیگی کا طریقہ ایک ہی ہے۔

۲۔ امام غزالی (الاحیاء ج 241/1) فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما رکھا ہے کہ ہر سال چھ لاکھ افراد کعبۃ اللہ شریف کا حج کریں گے۔ اگر کم ہوں گے تو یہ کمی فرشتوں کے ذریعے پوری کی جائے گی" کعبۃ اللہ شریف پہلی رات کی دلہن کی طرح حشر کے دن اٹھے گا۔ ہر شخص جس نے اس کا حج کیا ہو گا اس کے پردوں سے جمٹا ہو گا۔ یہ خوش نصیب اس کے ساتھ ساتھ دوڑ رہے ہوں گے حتی کہ کعبۃ اللہ کی یہ مثالی صورت جنت میں داخل ہو جائے گی اور حاجی بھی اس کے ساتھ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ علی بن الموفق سے

مروی ہے کہ میں ایک سال حج کے لیے گیا تو نویں کی رات منیٰ میں واقع مسجد خیف میں سویا ہوا تھا۔ میں خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان سے دو فرشتے اترتے ہیں جنہوں نے سبز رنگ کے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ ایک نے کہا اے بندہ خدا! دوسرے نے جواب دیا۔ لبیک اے اللہ کے بندے پہلے نے کہا: جانتا ہے اس سال کتنے آدمی حج کرنے آئے دوسرے نے کہا میں تو نہیں جانتا۔ پھر پہلا بولا۔ اس سال سات لاکھ افراد حج کرنے آئے۔ پھر بولا پتہ ہے کتنے لوگوں کا حج قبول ہوا ہے۔ دوسرے نے کہا نہیں معلوم پہلے نے کہا صرف (٦) آدمیوں کا۔ علی بن الموفق کہتے ہیں کہ پھر وہ ہوا میں بلند ہوئے اور میری نظروں سے غائب ہو گئے میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور بہت پریشان ہوا۔ مجھے یہ معاملہ بہت اہم لگا۔ میں نے سوچا جب صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا ہے میں بھلا ان چھ میں کب شامل ہوں گا۔ میں جب عرفہ پہنچا مشعر حرام کے پاس کھڑا ہو کر کثرت خلق کے بارے سوچا کہ ان میں سے اتنے کم لوگوں کا حج قبول ہوا ہے تو اسی دوران مجھے پھر نیند آ گئی۔ پھر میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہی دونوں فرشتے ہیں۔ وہی گفتگو کر رہے ہیں۔ پھر ایک نے کہا جانتے ہو اس رات میں ہمارے رب عزوجل کا کیا حکم ہے؟ کہا نہیں میں تو نہیں جانتا۔ پہلے فرشتے نے کہا ان چھ آدمیوں کو یہ اذن دے دیا ہے کہ ایک ایک لاکھ آدمی کی بخشش کی دعا کریں۔ علی فرماتے ہیں میں بیدار ہوا تو اتنا خوش تھا کہ بیان نہیں کر سکتا۔

۳۔ طواف صدور سے مراد طواف وداع ہے۔

۴۔ زبیدیؒ (اتحاف السادة المتقین ج 271/4) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:
"کچھ گناہ ایسے بھی ہیں جو صرف وقوف عرفہ کے ذریعے معاف ہوتے ہیں"
امام بخاری (الصحیح للبخاری۔ کتاب ابواب الاحصاء وجزاء الصید) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔
"جس نے اس گھر کا حج کیا نہ دنگا فساد کیا اور نہ فسق وفجور میں مبتلا ہوا تو وہ گھر کو لوٹا گویا آج ہی اس کی والدہ نے اسے جنا ہے"

۵۔ یہ حدیث ہمیں نہیں مل سکی

۶۔ امام قشیری (الرسالہ 202) حضرت ابو عثمان المغربی کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں۔ ولی کبھی مشہور ہوتا ہے مگر وہ کبھی بھی مفتون نہیں ہوتا۔ سہیل بن عبداللہ کا قول ہے ولی وہ ہے جس کے افعال ہمیشہ موافق شرع ہوں۔ کسی کا قول ہے ولی کی تین نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ میں مشغولیت، ہمیشہ اللہ کی رضا کے لیے کوشاں اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے بارے غمگین رہنا۔

۷۔ اس کی تخریج پہلے گزر چکی ہے۔

انیسویں فصل

وجد اور صفاء :۔

رب قدوس کا ارشاد ہے۔

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ(الزمر :23)

اور کانپنے لگتے ہیں اس کے (پڑھنے سے) بدن ان کے جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف"

أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَعَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ(الزمر :22)

بھلا وہ (سعادتمند) کشادہ فرمادیا ہو اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے لیے تو وہ اپنے رب کے دیے ہوئے نور پر ہے پس ہلاکت ہے ان سخت دلوں کے لیے جو ذکر خدا سے متاثر نہیں ہوتے"

"جَذْبَةٌ مَنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ تُوَازِیْ عَمَلَ الثَّقَلَيْنَ [1]

"حق تعالیٰ (کے عشق) کا جذبہ جن وانس کے عمل کے برابر ہے"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد مبارک ہے۔

"جس میں وجد نہیں اس کا کوئی دین نہیں"

حضرت جنید [2] بغدادی فرماتے ہیں وجد سے مراد باطن میں اچانک اللہ کریم کے بارے ایک ایسی کیفیت کا پیدا ہو جانا ہے جو سرور یا غم کا وارث بنادے [3]

وجد کی دو قسمیں ہیں۔ (ا) جسمانی نفسانی وجد (ب) روحانی رحمانی وجد

ا۔ نفسانی وجد :۔

نفسانی وجد یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر بتکلف وجد جیسی کیفیت طاری کر لے لیکن کوئی ایسا جذبہ کارفرما نہ ہو جس کا تعلق غلبہ حال اور روحانیت سے ہو۔ یہ وجد محض نمود و نمائش اور شہرت کے جذبے سے کیا جاتا ہے وجد کی یہ صورت باطل ہے کیونکہ اس میں انسان بے اختیار نہیں اور نہ ہی اس کی قوت سلب ہوئی ہے۔ ایسے وجد کی موافقت جائز نہیں ہے۔

ب۔ روحانی وجد :۔

اس صورت میں عشق کی قوت کارفرما ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص خوش الحانی سے قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے۔ کوئی موزوں شعر پڑھتا ہے۔ پر تاثیر ذکر کرتا ہے اور دل پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ جسم پر سے اختیار اٹھ جاتا ہے۔ یہ وجد روحانی اور رحمانی ہے۔ ایسے وجد میں موافقت مستحب ہے۔ آیت کریمہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

فَبَشِّرْ عِبَادَ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ (الزمر :17-18)

"پس آپ مژدہ سنا دیں میرے ان بندوں کو جو غور سے سنتے ہیں بات کو پھر پیروی کرتے ہیں اچھی بات کی"

اسی طرح عشاق اور پرندوں کی آواز اور گانوں کی خوش کن لے روح کی قوت کا موجب بنتی ہو شیطان اور نفس ایسے وجد میں دخل اندازی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ شیطان ظلمانیت اور نفسانیت میں تصرف کرتا ہے نورانیت اور روحانیت میں اس کا تصرف ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ نورانیت اور روحانیت سے وہ اس طرح پگل جاتا ہے جس طرح نمک پانی میں۔ حدیث پاک سے بھی یہی ثابت ہے۔ کیونکہ آپ نے فرمایا آیات کریمہ کی تلاوت، حکمت، محبت اور عشق پر مبنی

اشعار اور غم بھری آوازیں روح کے لیے نورانی قوت ہیں اس لیے ضروری ہے کہ نور، نور سے ملے۔ اور یہاں نور سے مراد روح ہے جیسا کہ کلام مجید میں ہے۔

اَلطَّیِّبُوْنَ لِطَّیِّبٰتِ (النور :26)

مگر جب وجد شیطانی اور نفسانی ہو تو اس میں نورانیت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میں تاریکی اور کفر ہوتا ہے۔ تاریکی ظلمانی یعنی نفس کو پہنچتی ہے اور اس کی سرکشی میں اضافہ کرتی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ (النور :26)

اس وجد میں روح کے لیے کوئی قوت نہیں ہوتی۔

حرکات وجد کی دو صورتیں ہیں۔ ایک اختیاری اور دوسری اضطراری۔

پہلی صورت اختیاری حرکات کی ہے۔ اس کی مثال ایک تندرست و توانا آدمی کی حرکت جیسی ہے جسے نہ کوئی درد ہو اور نہ کوئی بیماری۔ یہ حرکات غیر مشروع ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

دوسری صورت اضطراری حرکات کی ہے۔ اس کے سبب کی نوعیت دوسری ہے۔ مثلاً روح میں ایک جذبہ پیدا ہوتا ہے جسے نفس روک نہیں سکتا کیونکہ یہ حرکات جسمانی حرکات پر غالب آجاتی ہیں۔ ان کی مثال بخار کی ہے۔ جب بخار شدت اختیار کر جائے تو نفس اسے برداشت کرنے سے عاجز آجاتا ہے اور ایسے میں وہ بے اختیار ہو جاتا ہے۔

وجد میں جب روحانی حرکات غالب ہوں تو ایسا وجد حقیقی اور رحمانی ہوتا ہے۔

وجد اور سماع ایک ایسا آلہ ہیں جو جسم میں حرکت پیدا کر دیتے ہیں۔ جس طرح کے عشاق اور عارفوں کے دلوں میں جذبات امنڈ آتے ہیں۔[۵]

وجد اہل محبت کی غذا ہے اور طالبین کی قوت کا سبب ہے۔

ایک قول کے مطابق سماع کچھ لوگوں کے لیے فرض، کچھ لوگوں کے لیے سنت اور کچھ لوگوں کے لیے بدعت ہے۔ خواص کیلئے فرض۔ اہل محبت کے لیے سنت اور غافلوں کیلئے بدعت ہے[۶] یہی وجہ ہے کہ داؤد علیہ السلام کے سر پر

پرندے ٹھہر جاتے کہ اپ کی آواز سن سکیں۔

حرکت وجد کی دس صورتیں ہیں۔ بعض جلی ہیں جن کا اثر حرکات میں ظاہر ہوتا ہے اور بعض خفی ہیں کہ ان کا اثر جسم میں ظاہر نہیں ہوتا۔ مثلاً دل ذکر الٰہی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ آدمی خوبصورت آواز میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگتا ہے ؎ روتا ہے اور غم والم کا اظہار کرتا ہے۔ خوف وحزن سے کانپ اٹھتا ہے۔ جب اللہ کا ذکر ہو رہا ہو تاسف اور حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ باطن و ظاہر میں تجرد نصرت اور تغیر ظاہر ہوتا ہے۔ طلب، شوق اور سوز وجد ھی کی صورتیں ہیں۔

حواشی

۱۔ عجلونی (الکشف ج397/1) فرماتے ہیں کہ اسی طرح مشہور ہے پس اس کی حالت کو دیکھنا ضروری ہے۔

۲۔ الجنید محمد البغدادی، ابو القاسم۔ صوفی، عالم دین ہیں جائے ولادت، مسکن ومدفن بغداد میں ہے۔ اصل وطن نہاوند ہے بغداد کے اندر علم توحید میں سب سے پہلے گفتگو کرنے والے ہیں (الاعلام از زرکلی ج141/2) ابو ثور کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے 297ھ کو رحلت فرمائی (طبقات از شعرانی ج84/1)

۳۔ امام قشیری فرماتے ہیں (الرسالہ :58) میں نے استاذ ابو علی الدقاق کو یہ فرماتے سنا: جان بوجھ کر وجد طاری کرنا بندے کو عیب دار بنا دیتا ہے۔ وجد بندے کے استغراق کا موجب ہے۔ جبکہ وجود فنا کا باعث ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی ہے جس نے سمندر دیکھا پھر اس پر سوار ہوا اور پھر غرق ہو گیا۔ اس امر کی ترتیب یہ ہے پہلے قصود ہے پھر ورود پھر شہود پھر وجود اور پھر صمود۔ وجود جس قدر زیادہ ہو گا خمود اسی قدر بڑھ جائے گا۔ صاحب وجود صحو اور محو میں ہوتا ہے اس کی حالت صحو بقا باللہ کی غماز ہوتی ہے اور حالت محو فنا فی اللہ کی۔ یہ دونوں حالتیں یکے بعد دیگرے طاری ہوتی ہیں۔ جب صحو کی حالت کا غلبہ ہوتا ہے تو بندہ حق کے ذریعے تصرف کرتا ہے اور حق کے ذریعے بولتا ہے۔

۴۔ امام غزالی (الاحیاء ج297/3) فرماتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادی کا ارشاد ہے: میں سری سقطی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ان کے سامنے ایک آدمی

مدہوش پڑا ہے۔ آپ علیہ الرحمہ نے مجھ سے کہا یہ درویش قرآن مجید کی تلاوت سن کر مدہوش ہو گیا ہے۔ میں نے عرض کیا: اس پر دوبارہ وہی آیت کریمہ پڑھو۔ آیت کریمہ کی تلاوت کی گئی تو اسے افاقہ ہو گیا۔ حضرت سری سقطی نے فرمایا تم نے یہ راز کہاں سے پایا۔ میں نے کہا کہ میں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ مخلوق کے لیے اندھے ہوئے اور مخلوق کے ذریعے ہی بینائی پائی۔ اگر وہ حق کے لیے اندھے ہوئے تو مخلوق کے ذریعے بینا نہ ہو پاتے آپ نے اس بات کی تحسین فرمائی۔

۵۔ حضرت قشیری (الرسالہ ص263) فرماتے ہیں داؤد علیہ السلام کی قرأت سننے کیلئے جن وانس اور چرند پرند بے تاب رہتے۔ جب آپ زبور کی تلاوت فرماتے تو مجلس سے چار چار سو جنازے اٹھتے جو قرأت کی سماعت کر کے وجد میں داعی اجل کو لبیک کہہ دیتے۔

۶۔ یہ بات صرف نسخہ (ظ) میں مذکور ہے کسی اور میں نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو سماع کے وقت حرکت میں نہ آیا وہ مجھ سے نہیں"۔ حتی کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ جو سماع سن کر۔ موسم بہار پا کر، کلیاں چٹکیتاں دیکھ کر مہک پا کر سر نہ دہنے وہ فاسد مزاج کا آدمی ہے اس کا کوئی علاج نہیں۔ ایسا شخص حسن سے بے بہرہ ہے پرندے اور تمام جانور خوبصورت آواز سے متاثر ہوتے ہیں۔ جن لوگوں نے نسخوں کی تصحیح کا کام کیا ہے وہ اس قول کو حضرت مؤلف کی طرف بھی منسوب نہیں کرتے ہے چہ جائکہ کہ حضور ﷺ کی طرف منسوب کریں۔

۷۔ تبریزی (مشکاۃ المصابیح کتاب فضائل قرآن باب آداب التلاوۃ ودروس القرآن) میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا "قرآن کریم کو اپنی آوازوں سے حسن دو۔ کیونکہ خوبصورت آواز قرآن کے حسن میں اضافہ کرتی ہے" اسے دارمی نے بھی روایت کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث سنن دارمی کے باب التغنی بالقرآن ج75/2 پر ہے ھیثمی (کشف الاستار۔ کتاب التفسیر۔ باب حلیۃ القرآن) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ "ہر ایک چیز کا زیور ہے اور قرآن کریم کا زیور خوبصورت آواز ہے"

بیسویں فصل

خلوت و عزلت

خلوت و عزلت کی دو قسمیں ہیں۔ ظاہری اور باطنی۔

ظاہری خلوت :۔

ظاہری خلوت یہ ہے کہ کوئی شخص عزلت نشینی اختیار کر لے اور اپنے آپ کو لوگوں سے الگ کر لے تاکہ دوسرے اس کے اخلاق ذمیمہ سے محفوظ رہیں نفس سے اس کی مالوفات چھڑوا کر اور ظاہری حواس کو قابو میں رکھ کر اخلاص نیت کے ساتھ اپنے ارادہ کو قتل کرے اور اسے در گور کر دے تاکہ باطنی خواص پر فتح حاصل ہو جائے۔ اس ساری تگ و دو میں پیش نظر اللہ کی رضا اور دوسرے مسلمانوں سے دفع شر ہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ [1]

"مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں"

فضول باتوں سے زبان کو روکے جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

سَلَامَةُ الْاِنْسَانِ مِنْ قِبَلِ اللِّسَانِ [2]

"انسان کی سلامتی زبان کی طرف سے ہے"

آنکھوں کو خیانت، حرام کی طرف دیکھنے سے روکے اور اسی طرح کانوں، ہاتھوں اور پاؤں کو حرام کے قریب بھی نہ بھٹکنے دے جیسا کہ رسول

اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

العینان تزنیان......

"آنکھیں زنا کرتی ہیں [۳]" الحدیث [۴]

جو شخص، (ہاتھ پاؤں، کان، زبان، آنکھ وغیرہ) اعضاء سے زناء کرتا ہے قیامت کے روز قبر سے اس کے ساتھ ایک قبیح صورت شخص اٹھے گا۔ یہ شخص زناکار کے خلاف گواہی دے گا (کہ یہ زنا کرتا رہا ہے اور میں اس کے اعمال کی مثالی صورت ہوں)۔ اللہ تعالیٰ اس گواہی پر زناکار کا مؤاخذہ فرمائے گا اور اسے جہنم رسید کر دے گا۔ ہاں جو انسان توبہ کر لے اور اپنے آپ کو اس قبیح حرکت سے روک لے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَنَہَی النَّفسَ عَنِ الھَوٰیؕ فَاِنَّ الجَنَّۃَ ھِیَ المَاوٰیؕ [۵]

(النازعات :40-41)

"اور (اپنے) نفس کو روکتا رہا ہوگا (ہر بری) خواہش۔ یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانا ہوگا"

تو قبیح صورت وہ شخص خوبصورت بے ریش نوجوان کی صورت میں ظاہر ہوگا اور توبہ کرنے والے شخص کا ہاتھ پکڑ کر اسے جنت میں لے جائے گا۔ اس توبہ کی وجہ سے وہ برے اعمال کے شر سے بچ جائے گا۔ گویا خلوت نے اسے اپنے حصار میں لیے رکھا اور وہ لوگوں سے کنارہ کشی کی وجہ سے گناہوں سے بچ گیا۔ اس کے عمل صالح قرار پائے۔ وہ احسان کرنے والوں میں شمار ہونے لگا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیعُ اَجرَالمُؤمِنِینَ (التوبہ :120)

"بیشک اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا نیکوں کا اجر"

رب قدوس کا ارشاد ہے:

ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین (الاعراف :56)

"بیشک اللہ کی رحمت قریب ہے نیکو کاروں سے"

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا
(الکھف :10)

"پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے
چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے"

باطنی خلوت :۔

باطنی خلوت یہ ہے کہ انسان نفسانی اور شیطانی تفکرات کو دل میں جگہ نہ دے۔ مثلاً کھانے پینے کی محبت، اھل و عیال کا پیار، حیوانات سے دل لگی، ریاء کاری، ناموری اور شہرت جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

اَلشُّهْرَةُ آفَةٌ وَكُلٌّ يَتَمَنَّا هَاوَالْخُمُوْلُ رَاحَةٌ وَكُلٌّ يَتَوَقَّاهَا[6]

"شہرت آفت ہے اور ہر آدمی اس کا متمنی ہے گمنامی راحت
ہے اور ہر ایک اس سے بچتا ہے"

اور اپنے دل میں بالاختیار تکبر، خود پسندی بخل وغیرہ جیسی برائیوں کو در نہ آنے دے۔ خلوتی کے دل میں ان برائیوں کا خیال تک بھی گزر گیا تو اس کے عزلت گزینی فاسد قرار پائی دل برباد ہو گیا۔ اعمال صالحہ اور احسان کا قلع قمع ہوا۔ ایسا دل بے فائدہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

ان اللہ لا یصلح عمل المفسدین (یونس :81)

"بیشک اللہ تعالیٰ نہیں سنوارتا شریروں کے کام کو"

جس شخص میں یہ برائیاں ہوں گی وہ مفسد ہے اگرچہ اس نے صالحین کا لبادہ کیوں نہ اوڑھ رکھا ہو۔ حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

اَلْغَضَبُ يُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ[7]

"غصہ ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح سرکہ شہد کو"

اسی طرح حضور ﷺ کی ایک اور حدیث ہے۔

اَلْحَسَدُ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ[8]

"حسد نیکیوں کو یوں کھا جاتا ہے جیسے آگ ایندھن کو"

پھر فرمایا:

اَلْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا[9]

"غیبت زنا سے بڑی برائی ہے"

اَلْفِتْنَۃُ نَائِمَۃٌ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ اَیْقَظَھَا[10]

"یہ سویا ہوا فتنہ ہے۔ اللہ کی اس پر لعنت ہو جو اس کو بیدار کرے"

اَلْبَخِیْلُ لَایَدْخُلُ الْجَنَّۃَ وَلَوْکَانَ عَابِداً وَزَاھِدًا[11]

"بخیل عابد و زاھد ہو تو بھی جنت میں نہیں جائے گا"

الریاء شرک خفی[12]

"دکھاوا شرک خفی ہے"

اور ریاء کو ترک کرنا اس گناہ (ریاء) کا کفارہ بن جاتا ہے[14]

اَلنَّمَامُ لَایَدْخُلُ الْجَنَّۃَ[13]

"چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا"

اس کے علاوہ اور کئی احادیث اخلاق ذمیمہ پر پیش کی جا سکتی ہیں ان اخلاق سے بچنا بہت ضروری ہے۔ تعلیمات تصوف کا پہلا مقصود تصفیہ قلب ہے۔ ایک خلوت گزیں صوفی چاہتا ہے کہ وہ خلوت، ریاضت، خاموشی، مسلسل ذکر، محبت، اخلاص، توبہ سلف صالحین صحابہ اور تابعین جیسا اھل سنت کا صحیح اعتقاد اپنا کر ہوائے نفس کو جڑ سے اکھیڑ پھینکے۔ جب توحید پر کامل یقین رکھنے والا مؤمن توبہ و تلقین اور اس کی دوسری تمام شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے خلوت نشین ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عمل میں خلوص پیدا فرما دیتا ہے۔ اس کے دل میں نور پیدا کر دیتا ہے۔ اس کی شخصیت نرم و ملائم ہو جاتی ہے۔ زبان میں پاکیزگی آجاتی ہے ظاہری و باطنی حواس مجتمع ہو جاتے ہیں۔ اس کا عمل حضور باری میں پہنچ جاتا ہے اور جب وہ دعا کرتا ہے تو قبول ہوتی ہے۔ جیسا کہ وہ نماز میں کہتا ہے سمع اللہ لمن حمدہ[15] یعنی اللہ نے اس کی دعا سن لی۔ اس کی آہ و زاری کو شرف قبولیت

بخش دیا۔ ثنا گستری کے الفاظ کو نظر رحمت سے دیکھا اور قربت کی صورت میں اپنے بندے کو اجر سے نوازا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ
(فاطر :10)

"اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور نیک عمل پاکیزہ کلام کو بلند کرتا ہے"

پاکیزہ کلام سے مراد زبان کا لغویات[16] سے محفوظ ہونا ہے۔ کیونکہ زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر اور توحید کو بیان کرنے کا آلہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (المؤمنون :1-3)

"بیشک دونوں جہان میں بامراد ہو گئے ایمان والے۔ وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں اور وہ جو ہر بیہودہ امر سے منہ پھیر ہوتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ علم، عمل اور عامل کو اپنی قربت، رحمت کی طرف بلند کرتا ہے اور مغفرت ور ضوان سے اس کے درجہ کو بڑھاتا ہے۔

خلوتی کو جب یہ مقامات حاصل ہو جائیں تو اس کا دل سمندر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اور وہ لوگوں کی ایذاء رسانی سے گدلا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

سمندر کی صورت اختیار کر لے۔ اس میں جانیں کتنی بری جانیں غرق ہوتی ہیں۔ جیسے فرعون اور اس کے حواری غرق ہوئے لیکن اس میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ تبھی شریعت کی نو صحیح سالم اس سمندر میں تیرے گی۔ اور روح قدسی اس کی اتھاہ گہرائیوں میں غوطہ زن ہو کر در حقیقت تک پہنچے گی۔ اور اس سے معرفت کے موتی، لطائف مکنونہ کے مرجان بر آمد ہوں گے۔ جیسا کہ رب قدوس کا ارشاد ہے۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَان (الرحمٰن :22)
"نکلتے ہیں ان سے موتی اور مرجان"

کیونکہ یہ سمندر صرف اسے نصیب ہو سکتا ہے جس نے ظاہر اور باطن دونوں دریاؤں کو جمع کر رکھا ہو۔ اس مقام کے حصول کے بعد قلب میں کوئی فساد برپا نہیں ہو سکتا۔ ایسے شخص کی توبہ خالص توبہ ہے اور اس کا عمل نافع ہے۔ ایسا شخص جان بوجھ کر گناہوں کی طرف مائل نہیں ہو گا۔ اس کا سھو اور نسیان استغفار اور ندامت سے انشاء اللہ معاف ہو جائے گا۔

حواشی

۱۔ ایک حدیث پاک کا ٹکرا ہے۔ جسے بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب الایمان باب : المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت کیا ہے۔ آخری الفاظ یہ ہیں۔ والمُهَا جِرُمَنْ هَجَر مَانهی الله عنه" مزید دیکھیے ابن اثیر کی جامع الاصول ج 240/1-141۔

۲۔ ان الفاظ میں ہمیں نہیں ملی ابن ابی الدنیا "الصمت وادب اللسان" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو محفوظ رہنا پسند کرے اسے خاموشی اختیار کرنی چاہیے" ھیثمی نے المجمع میں ج 297-198 پر لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "جس نے خاموشی اختیار کی اللہ اس کی شرمگاہ کی پردہ پوشی فرمائے۔ جو غصے پر قابو پالے گا اللہ تعالیٰ اس کو عذاب سے بچالے گا۔ جو اللہ کی بارگاہ میں عذر پیش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو قبول فرمائے گا" ھیثمی نے اسے ابو یعلی کی طرف منسوب کیا ہے۔ دیکھے ان کی مسند مزید دیکھیے طبرانی (اوسط)

۳۔ اس حدیث کی تخریج گذشتہ صفحات میں ہو چکی ہے

۴۔ حاشیہ (ظ) میں آیا ہے : یاد رہے کہ مخالفت نفس اور خواہشات کو لگام دینا عبادت کی بنیاد ہے کیونکہ بندے اور مولا کے درمیان سب سے بڑا حجاب یہی ہے۔ جس شخص کے مصائب نفس طلوع ہو جائیں اس کے انس کے ستارے ڈوب جاتے ہیں۔ جو نفس سے راضی ہوتا ہے ہلاک ہو جاتا ہے بھلا عقلمند نفس سے راضی کیسے ہو سکتا ہے۔

۵۔ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ (الرسالہ :122) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام

کو وحی فرمائی : اے داؤد! خود بھی بچ اور اپنے صحابیوں کو بھی من پسند کھانوں سے ڈرا۔ جو دل شھوات دنیا میں لگے رہتے ہیں ان کی عقلیں مجھ سے مجوب رہتی ہیں" (یعنی وہ میرا عرفان حاصل نہیں کر سکتیں)

۶۔ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔ یہ کسی بزرگ کا قول لگتا ہے۔ ملا علی قاری (الاسرار البلاغہ :188) فرماتے ہیں یہ کسی شیخ کا کلام ہے عجلونی (الکشف۔ج460/1) فرماتے ہیں کہ ابن الفرس کا قول ہے : میں نے اس کہاوت میں یہ الفاظ زیادہ دیکھے ہیں : الشھرۃ نقمہ۔ وکل یتوخاھا" علامہ سخاوی (المقاصد ص458) فرماتے ہیں نیکی میں اخفاء ،عدم شہرت اور کسی شخص کی طرف انگلی سے اشارہ اس کے برعکس سے بہتر ہے۔ اور دین ودنیا میں امن وسلامتی کا موجب ہے۔ تھوڑا مال جو آخرت سے غافل نہ کرے اس کثیر دولت سے بہت بہتر ہے جو آخرت سے غافل بنادے۔ اسی طرح جب حضرت عمر نے سعد بن ابی وقاص سے کہا۔ کیا تو اپنے اونٹوں اور بکریوں میں آبیٹھا ہے اور لوگوں کو ملک گیری پر باہم جھگڑتے چھوڑ دیا ہے تو انہوں نے (سعد بن وقاص) نے فرمایا : خاموش رہیے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا "اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو محبوب رکھتا ہے جو متقی، بے نیاز اور غریب ہو"

۷۔ الاحیاء ج165/3 حافظ عراقی ۔ المغنی ج165/3 طبرانی "الکبیر" ان کتب میں یہ حدیث دیکھیں۔ امام بیہقی بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کی ضعیف سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں ذوالقرنین کے بارے مشہور ہے کہ ان کی ملاقات ایک فرشتے سے ہوئی۔ ذوالقرنین نے کہا مجھے کوئی ایسا علم سکھاؤ جس سے میرا ایمان ویقین بڑھ جائیں۔ فرشتے نے کہا : "غصہ نہ کیا کر۔ جب بنی آدم غصہ میں ہوتا ہے شیطان اس حالت میں اس پر سب حالتوں سے زیادہ قابو رکھتا ہے۔ غصے کو معاف کرنے سے رد کر دے۔ اسے محبت سے پر سکون بنادے تیزی سے بچ۔ جب جلدی کرے گا تو اپنے حصے کو کھودے گا۔ پر سکون، نرم مزاج بن جا کوئی قریبی ہو یا دور کا۔ جابر اور جھگڑالو مت بن"

۸۔ ابو داؤد۔ کتاب الادب باب فی الحسد۔ سنن ابن ماجہ کتاب الزھد۔ باب الحسد۔ حضرت ابو داؤد حضرت ابو ھریرہ سے روایت کرتے ہیں جبکہ ابن ماجہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں۔ "صدقہ خطا کو بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو نماز مؤمن کا نور ہے اور روزے جہنم سے بچنے کا کیلئے ڈھال" مزید دیکھیے جامع الاصول ابن اثیر کی ج625/3 مناوی (فیض القدیر ج414/3) غزالی کے حوالے سے

بیان کرتے ہیں: حسد اطاعت گزاری میں فساد برپا کردیتا ہے اور گناہوں پر ابھارتا ہے۔ یہ ایسی لاعلاج بیماری ہے جس میں عوام الناس تو رہے ایک طرف علماء میں مبتلا ہوچکے ہیں۔ یہ جہنم کا ایندھن ہے اور ھلاکت کا باعث۔ اللہ تعالیٰ نے حسد سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے یہی اس کی مزمت کے اظہار کیلئے کافی ہے۔ و من شرِحاسدٍاذا حسد ۔ ایسے ہی شر شیطان سے پناہ کا حکم ہے۔ گویا یہ شیطان اور جادوگر کے فتنے کے برابر ایک فتنہ ہے۔ حسد سے طبیعت فاسد ہو جاتی ہے۔ شر وفساد کی طرف میلان ہو جاتا ہے بلا وجہ دکھ درد میں انسان مبتلا رہتا ہے۔ دل اندھا ہو جاتا ہے اللہ کا حکم سمجھنے سے انسان قاصر ہو جاتا ہے۔ ناکامی ونامرادی مقدر بن جاتی ہے۔ مگر مراد کبھی بر نہیں آتی۔ یہ دائمی غم ہے امر عقل کرے لیے روگ۔

۹۔ یہ حدیث پاک کا ایک ٹکڑا ہے۔ ھیثمی (المجمع ج91/8) جابر بن عبداللہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غیبت زنا سے بڑا گناہ ہے" پوچھا گیا کیسے؟ فرمایا۔ انسان زنا کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کردیتا ہے مگر غیبت کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہو سکتا جب تک وہ معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی ہے"۔ اسے طبرانی نے اوسط میں، دیلمی نے "الفردوس" میں نقل فرمایا ہے۔ امام غزالی (الاحیاء ج143/3) فرماتے ہیں: غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا ایسے الفاظ میں ذکر کرے کہ اگر اسے معلوم ہو جائے تو ناپسند کرے۔ خواہ بدنی نقص کا تذکرہ کیا ہو، نسبت کا، خلق کا، کسی فعل کا، قول کا، دین کا یاد دینا کا۔ حتی کہ کپڑے، گھر اور سواری کا نقص ہی کیوں نہ ہو۔ زبیدی (اطاف السادۃ المتقین ج533/7) فرماتے ہیں: کسی شخص نے ابن الجلاء کی غیبت کی پھر آدمی بھیجا کہ اسے معاف کردو۔ انہوں نے انکار کردیا کہ میرے صحیفے میں اس سے بڑی نیکی نہیں اسے کیسے مٹادوں۔

۱۰۔ اسے امام سیوطی نے اپنی جامع میں نقل فرمایا ہے اور کہا ہے کہ اسے رافعی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ مناوی فیض القدیر ج461/4 میں فرماتے ہیں کہ ابن قیم کا قول ہے فتنہ کی دو قسمیں ہیں۔ فتنہ شبھات اور یہ سب سے بڑا فتنہ ہے اور فتنہ شھوات۔ کبھی دونوں ایک آدمی میں جمع ہو جاتے ہیں اور کبھی ان میں سے ایک پایا جاتا ہے۔

۱۱۔ ملا علی قاری الاسرار المرفوعہ ص 171 پر لکھتے ہیں۔ ان الفاظ میں اس حدیث کا کوئی اصل نہیں۔ لیکن دوسرے شواہد تقویت کا باعث بنتے ہیں ترمذی اپنی صحیح میں کتاب البر والصلۃ باب ماجاء فی السخاء 1961 پر ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کرتے ہیں آپ

ﷺ نے فرمایا: سخی اللہ کے قریب، جنت کے قریب، لوگوں کے قریب، ہوتا ہے اور آگ سے دور ہوتا ہے اور بخیل اللہ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور ہوتا ہے اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ جاہل جو سخی ہو وہ اللہ کو بخیل عابد سے زیادہ پسند ہے ترمذی ہی کی حدیث نمبر 1963 ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: دھوکے باز، احسان جتلانے والا اور بخیل جنت میں نہیں جائیں گے

۱۲- یہ حدیث ان الفاظ میں ہمیں نہیں ملی ھیثمی (کشف الاستار ج 217/4) یعلی بن شداد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا۔ فرماتے ہیں: "ہم عہد نبوی میں دکھاوے کو شرک کی سب سے چھوٹی صورت شمار کرتے تھے"۔ ابن ماجہ اپنی سنن میں (کتاب الزھد باب الریاء والسمعۃ 4204) حضرت ابو سعید خدری کے حوالے سے نقل کرتے ہیں "ہم مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے اسی حالت میں حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤ جسے میں مسیح دجال سے بھی تمہارے لیے زیادہ خوفناک سمجھتا ہوں۔ حضرت سعید خدری فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "شرک خفی کہ ایک شخص نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوگا اور لوگوں کو دکھانے کے لیے خوب بنا سنوار کر نماز ادا کرے گا"

۱۳- مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الایمان باب: بیان غلظ تحریم النمیمہ 105 نمبر پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: "چغل خور جنت میں نہیں جائے گا" دیکھیے ابن اثیر کی جامع الاصول ج8/450-251۔

۱۴- امام قشیری الرسالۃ ص 86 پر لکھتے ہیں ایک شخص حضرت ابوبکر وراق کی زیارت کے لیے آیا۔ جب واپس جانے لگا تو عرض کیا مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔ آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: میں نے دنیا اور آخرت کی بھلائی خلوت اور قلت میں پائی ہے اور دنیا و آخرت کی برائی کثرت اور اختلاط میں پائی ہے۔" آپ فرماتے ہیں میں نے حضرت شبلی سے سنا فرما رہے تھے لوگوں! افلاس افلاس۔ عرض کیا گیا اے ابوبکر شبلی۔ افلاس کی علامت کیا ہے۔ فرمایا افلاس کی نشانی لوگوں سے انسیت حاصل کرنا ہے۔

۱۵- بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو اللّٰھم ربنا لک

الحمد کہو۔ پس جس کا کہنا فرشتوں کے کہنے کے موافق ہوا تو اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دے جائیں گے" (بخاری کی صحیح : کتاب صفۃ الصلوۃ نمبر 763)

۱۶۔ امام ترمذی حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا : یا رسول اللہ ! نجات کیا ہے ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا : اپنی زبان کو قابو میں رکھ ، اپنے گھر کو اپنے لیے وسیع سمجھ اور اپنی خطا پر آنسو بہا" (الجامع الصحیح۔ کتاب الذھد۔ باب ماجاء فی حفظ اللسان نمبر 2406) امام قشیری (الرسالہ : 97-98) فرماتے ہیں : خاموشی سلامتی ہے۔ اور یہی اصل ہے۔ جب اس پر زجر و توبیخ وارد ہو تو اس پر ندامت ہے۔ واجب یہ ہے کہ اس میں شریعت کا اعتبار کیا جائے اور امر و نہی کے لحاظ کو۔ سکوت اپنے وقت میں مرد کی بہترین صفت ہے۔ کہا جاتا ہے ابو حمزہ بغدادی حسن کلام کے مالک تھے۔ ھاتف غیبی نے آواز دی۔ تو نے گفتگو کی اور اسے چار چاند لگادیے۔ اب سکوت باقی ہے اسے بھی حسن بخش دے۔ پھر آپ مرتے دم تک خاموش رہے۔

اکیسویں فصل

اوراد خلوت

خلوتی (گوشہ نشین) کو چاہیے کہ ہو سکے تو روزے رکھے۔ پانچ وقت کی نماز مسجد میں باجماعت (مستحب) اوقات پر تمام سنن، شرائط اور ارکان کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا کرے اور ناغہ نہ ہونے دے[1]۔ (فرض نماز کے علاوہ) پچھلی رات کی تنہائی میں بارہ رکعت نماز تہجد ادا کرے[2]۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (الاسراء :79)

"اور رات کے بعض حصہ میں (اٹھو) اور نماز تہجد ادا کرو (تلاوت قرآن کے ساتھ) (یہ نماز) زائد ہے آپ کے لیے"

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (السجدہ :16)

"دور رہتے ہیں ان کے پہلو (اپنے) بستروں سے"

جب سورج طلوع ہو جائے تو اشراق کی نیت سے دو رکعت نماز نفل ادا کرے اور دو رکعتیں نماز استعاذہ کی نیت سے پڑھے۔ ان دو رکعتوں میں معوذتین کی قرأت کرے۔ اس کے بعد دو رکعتیں اور استخارہ کی نیت سے پڑھے۔ نماز استخارہ کی ہر رکعت میں ایک بار سورۂ فاتحہ، ایک بار آیت الکرسی اور سات بار سورۂ اخلاص کی تلاوت کرے۔ ان نوافل کے بعد نماز چاشت کی چھ رکعتیں پڑھے اور اس کے بعد کفارۂ بول کی نیت سے دو رکعتیں ادا کرے۔ ان دو رکعتوں میں فاتحہ

کے بعد سات سات مرتبہ سورۂ کوثر کی تلاوت کرے۔ ان دو نفلوں کا فائدہ یہ ہو گا پیشاب (میں عدم احتیاط کی وجہ سے جو) گناہ سرزد ہو جاتے ہیں یہ دو رکعتیں اس کا کفارہ بن جائیں گی اور عذاب قبر سے نجات مل جائے گی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

استنزهوا من البول فانّ عامة عذاب القبر منه [۳]

''پیشاب سے دامن بچا کے رکھیے کیونکہ عام طور پر عذاب قبر اسی سبب سے ہوتا ہے''

چار رکعت صلاۃ التسبیح ادا کرے۔ اس کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی دوسری سورت ملانے کے بعد قیام میں پندرہ مرتبہ یہ کلمہ پڑھے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرْ۔ پھر تکبیر کہے اور رکوع میں دس مرتبہ یہی مذکورہ کلمہ پڑھے۔ تکبیر کہہ کر رکوع سے سر اٹھالے اور دس مرتبہ یہی کلمہ پڑھے۔ پھر دونوں سجدوں میں دس دس مرتبہ دونوں سجدوں کے درمیان دس مرتبہ اور دونوں سجدوں کے بعد بیٹھے بیٹھے یہ کلمہ دس بار پڑھے۔ یہی عمل دوسری، تیسری اور چوتھی رکعت میں دھرائے یہ نماز ہو سکے تو دن رات میں ایک بار پڑھے۔ نہیں تو ہر جمعہ کو۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر مہینے میں ایک بار اور اگر اسے بھی معمول نہ بنا سکے تو سال میں ایک بار ورنہ زندگی میں ایک بار تو ضرور پڑھے۔ رسول کریم ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: جو شخص نماز تسبیح ادا کرے اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اگرچہ وہ ریت کے ذروں سے زیادہ، ستاروں کی تعداد سے بڑھ کر اور تمام اشیاء کی گنتی کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔ [۴]

(نوٹ) طالب راہ حق کو روزانہ ایک یا دو مرتبہ دعائے سیفی پڑھنی چاہیے۔ اس کے علاوہ روزانہ دو سو آیات قرآن کریم کی تلاوت بھی ضروری ہے پھر اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرے۔ ذکر بالجہر کا قائل ہے تو ذکر بالجہر ورنہ ذکر خفی کرے ذکر خفی تبھی صحیح ہے کہ دل زندہ ہو جائے اور باطن کو زبان مل جائے۔ جیسا کہ رب

قدوس کا ارشاد گرامی ہے۔

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدَاكُمْ (البقرہ :198)

"اور ذکر کرو اس کا جس طرح اس نے تم کو ہدایت دی"

ہر روز اس کلمہ کا ورد کرے۔ والرب یعرف اهله. پھر سورۂ اخلاص ایک سو مرتبہ روزانہ تلاوت کرے اور نبی کریم ﷺ پر ایک تسبیح درود پاک کی پڑھے۔ پھر کہے استغفر اللہ واتواب الیه یہ کلمات بھی دن میں ایک سو بار پڑھے۔ اگر ہو سکے تو نوافل اور تلاوت میں اضافہ کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ اس کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (التوجہ :120)[۵]

بیشک اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا نیکوں کا اجر"

حواشی

۱۔ حضور ﷺ نے فرمایا: باجماعت نماز گھر میں اور بازار میں پڑھی جانے والی نماز سے پچیس گنا زیادہ ثواب کی حامل ہے۔ کیونکہ ایک شخص اچھی طرح وضو کر کے محض نماز کی خاطر مسجد کو جاتا ہے تو ہر ہر قدم پر اس کا ایک ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے تو جب تک مسجد میں رہتا ہے فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ اور کہتے رہتے ہیں۔ اے اللہ! اس پر رحمت فرما۔ اے اللہ اس پر کرم فرما اور جب تک وہ نماز کا انتظار کرتا رہتا ہے نماز پڑھنے والا شمار ہوتا ہے۔

۲۔ حاشیہ (ظ) میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس رات مجھے آسمانوں کی سیر کرائی گئی میرے رب نے مجھے پانچ خصلتوں کی نصیحت فرمائی: "دنیا میں دل نہ لگانا۔ دنیا میں نے تیرے لیے پیدا نہیں کی۔ مجھ سے محبت رکھنا کیونکہ تو نے میرے پاس آنا ہے۔ تہجد کی نماز ہمیشہ ادا کرتے رہنا میری نصرت قیام شب کے ساتھ ہے۔ جنت کی طلب میں کوشش کرنا اور مخلوق سے مایوس ہو جانا کیونکہ اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے"

۳۔ اسے دار قطنی نے اپنی سنن میں ج 128/1 پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے حاکم نے مستدرک 183/1-184 میں نقل کرنے کے بعد

فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے ذہبی نے بھی حاکم کی موافقت کی ہے۔

۴۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عباس بن عبد المطلب سے ارشاد فرمایا۔ اے عباس اے میرے چچا کیا میں تجھے عطانہ کروں۔ تجھے مرحمت نہ فرماؤں، تجھے صلہ نہ دوں۔ تجھ سے یہ نہ کروں تجھ سے وہ نہ کرو؟ دس خصلتیں ایسی ہیں جنہیں اپنائے گا تو تیرے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے اگلے پچھلے نئے پرانے، جان بوجھ کر کیے تھے یا خطا ہو گئے تھے چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں۔ چھپے ہوں یا علانیہ کیے ہوں؟ پھر تتمہ حدیث کو ذکر فرمایا۔ دیکھیے جامع الاصول از ابن اثیر ج6/252-253

۵۔ حاشیہ (ط) میں مذکور ہے شیخ محمود آفندی اسعد اری کہتے ہیں ذکر کے کئی مراتب ہے۔ مقام نفس میں ذکر زبان اور مجاہدہ سے ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر ہوتا ہے۔ مقام قلب میں حضور اور مراقبہ کے ذریعے اور ملوک میں تفکر ہوتا ہے نیز اس مقام پر جمال و جلال کی صفات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ مقام سر میں مناجات و مکالمہ کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ روح میں ذکر مشاہدہ سے ہوتا ہے۔ مقام خفی میں ذکر مناعات فی المعاشقہ اور تحیر فی الانوار کا رنگ اختیار کر جاتا ہے۔ مقام ذات میں ذکر کی صورت فناء استغراق اور انغماس ہے۔ نفس کی صفات مضطرب ہوتی رہتی ہیں۔ پس قلب میں تلون پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے تغیر پذیر ہو جاتا ہے۔ جب انسان ذکر کرتا ہے نفس میں ٹھہراؤ آجاتا ہے اور وساوس سے خلاصی پا جاتا ہے۔ دل مطمئن ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

الا بذکرِ اللّٰہِ تَطمئنّ القُلُوب (الرعد :28) (جامع الفضائل و قامع الرذائل)

www.maktabah.org

بائیسویں فصل

سوتے میں خواب دیکھنا

نیند میں انسان جو واقعات دیکھتا ہے ان کی کوئی نہ کوئی تعبیر ہوتی ہے۔ جیسا کہ رب قدوس کا ارشاد پاک ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ (الفتح :27)

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ"

اسی طرح حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

لم یبق من النبوة الا المبشرات[1]

"نبوت میں سے صرف سچے خواب باقی رہ گئے ہیں"

یہ خواب انسان دیکھتا ہے یا انہیں دکھائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْآخِرَةِ
(یونس :64)

"انہیں کے لیے بشارت ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت میں"

بعض علماء کے نزدیک اس سے مراد سچے خواب ہیں[2]۔ ایسے ہی حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِّنْ سِتٍّ وَّاَرْبَعِيْنَ جُزْءً امِنَ النُّبُوَّةِ[3]

"سچے خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جز ہیں"
حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِیْ فِی الْیَقْظَةِ لِاَنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ وَبِمَنْ تَبِعَنِیْ[۴]

"جس نے خواب میں میری زیارت کی تو اس نے یقیناً بیداری میں میری زیارت کی۔ کیونکہ شیطان میری مثالی صورت میں ظاہر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ان لوگوں کی مثالی صورت میں جنہوں نے میری اتباع کی"

یعنی شریعت، طریقت اور معرفت کے علم کے نور سے میری فرمانبرداری کی اور حقیقت وبصیرت کی روشنی میں میری اتباع کرتے رہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

اُدْعُوْا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ
(یوسف: 108)

"میں تو بلاتا ہوں صرف اللہ کی طرف۔ واضح دلیل پر ہوں میں اور (وہ بھی) جو میری پیروی کرتے ہیں"

شیطان ان تمام انوار لطیفہ کی مثالی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔

صاحب "مظہر" لکھتے ہیں: یہ چیز نبی کریم ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ جو شیطان رحمت، لطف اور ہدایت کے کسی بھی مظہر کی مثالی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ مثلاً تمام انبیاء علیھم السلام اولیاء کرام، کعبۃ اللہ شریف، سورج، چاند سفید بادل، قرآن کریم اور اس قسم کے دوسرے مظاہر رحمت ولطف وہدایت کیونکہ شیطان صفت قہر کا مظہر ہے۔ اس لیے وہ صرف ایسی صورت مثالی میں ظاہر ہو سکتا ہے جس پر گمراہ کا لفظ صادق آسکتا ہو۔ جو شخص مظہر ذات ہادی ہو شیطان بھلا اس کی شکل وصورت کیسے اپنا سکتا ہے۔ ایک چیز اپنی ضد کی صورت میں ظاہر نہیں ہو سکتی کیونکہ اضداد کے درمیان تنافر اور بعد ہوتا ہے اور

یہ اس لیے بھی ہے کہ حق اور باطل کے درمیان فرق قائم رہے۔ جیسا کہ رب قدوس کا ارشاد گرامی ہے۔

كَذَالِكَ يَضرِبُ اللّٰهُ الحَقَّ وَالبَاطِلَ (الرعد : 17)

"یوں اللہ تعالیٰ مثال بیان فرماتا ہے حق اور باطل کی"

رہی یہ بات کہ وہ صفت ربوبیت کی مثالی صورت میں ظاہر بھی ہو سکتا ہے اور دعویٰ ربوبیت بھی کرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت جلال کی ہے اور دوسری جمال کی۔ شیطان چونکہ صفت قہر کا مظہر ہے اس لیے وہ صفت جلال کی مثالی صورت اپنا سکتا ہے۔ لیکن جب وہ ربوبیت کی مثالی صورت اپنائے گا تو دعویٰ ربوبیت نہیں کر سکے گا بلکہ ایسی صورت میں بھی ایسا دعویٰ کرے گا کہ اس پر گمراہ کن کا اسم صادق آئے گا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور شیطان ایسے اسم کی مثالی صورت بھی نہیں اپنا سکتا جو جامع ہو اور اس میں ہدایت کا معنی بھی پایا جاتا ہو۔ اس سلسلے میں گفتگو طوالت کا باعث ہوگی۔ رب قدوس کا ارشاد علی بصيرة انا ومن اتبعني مرشد کامل کی طرف اشارہ ہے جو (علوم نبوت کا) وارث ہو۔ یعنی میرے بعد آنے والے وہ لوگ جو من وجہ میری باطنی بصیرت کی طرح باطنی بصیرت رکھتے ہوں گے۔ بصیرت سے مراد ولایت کاملہ ہے جس کی طرف اللہ کریم کا یہ ارشاد بھی اشارہ کرتا ہے۔

وَلِيًّا مُرشِداً (الکھف : 17)

"...... مددگار (اور) رہنما"

خواب کی دو قسمیں ہیں۔ آفاقی اور انفسی۔ پھر ان میں ہر ایک کی دو، دو قسمیں ہیں۔

انفسی :۔

یا تو اخلاق حمیدہ (کی مثالی صورت نظر آئے) گی یا اخلاق ذمیمہ کی۔ اخلاق حمیدہ مثلاً جنت اور اس کی نعمتیں حور و قصور، علماء اور سفید نورانی صحراء سورج،

چاند، ستارے اور اس قسم کی دل سے تعلق رکھنے والے اخلاق کی مثالی صورتیں رہی نفس مطمئنہ سے تعلق رکھنے والے اخلاق کی مثالیں صورتیں مثلاً حیوانات اور پرندوں سے تیار شدہ غذا تو اس کے تعلق بھی انفسی خواب سے ہے کیونکہ نفس مطمئنہ کو جنت میں اسی قسم کی خوراک دی جائے گی۔ جیسے بکری اور پرندوں کا بھونا ہوا گوشت وغیرہ گائے بھی جنتی جانور ہے۔ اسے جنت سے دنیا میں اس لیے بھیجا گیا کہ آدم علیہ السلام اس سے زراعت سے متعلقہ کام سرانجام دے سکیں۔ اونٹ بھی جنتی ہے اور کعبہ ظاہر وباطن کی طرف سفر کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔

گھوڑا جنتی جانور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جہاد اصغر واکبر کا آلہ بنایا ہے۔ یہ تمام چیزیں آخرت سے تعلق رکھتی ہیں۔ حدیث مبارکہ ہے۔

"ان الغنم خلق من عسل الجنة والبقر من زعفرانها والابل من نورها والخيل من ريحها"[5]

"بیشک بکری جنت کے شہد سے پیدا کی گئی ہے۔ گائے جنت کے زعفران سے اونٹ جنتی نور سے اور گھوڑا جنتی ہوا سے"

رہی بات خچر کی۔ تو خچر نفس مطمئنہ کی ادنی صورت مثالی ہے۔ جو اسے خواب میں دیکھے تو سمجھ جائے کہ خواب دیکھنے والا عبادت میں کوتاہی کرتا ہے اور قیام و قعود میں بوجھ محسوس کرتا ہے۔ ایسے شخص کی عبادت بے کار ہے۔ توبہ کرے تو اس کی کوشش ثمربار ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءً الْحُسْنٰى (الکھف :88)

گدھا آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی مصلحت کے لیے ہے۔ یہ جنت کے پتھروں سے پیدا کیا گیا ہے۔ انسان کو اس سے خدمت لیکر دنیا میں آخرت کے لیے توشہ تیار کرنا چاہیے۔

اگر کوئی شخص خواب میں روح سے تعلق رکھنے والی چیزوں کو دیکھے مثلاً بے ریش نوجوان تو سمجھ لے کہ اس پر انوار خداوندی کی تجلی پڑ رہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اہل جنت تمام کے تمام اسی صورت میں ہوں گے۔ جیسا کہ رسول

اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

اَھلُ الجَنَّۃِ جُرْدٌ مُرْدٌ کُحلٌ[6]

"اہل جنت موچھ داڑھی کے بغیر ہوں گے اور ان کی آنکھیں سرمگیں ہوں گی"

حضور ﷺ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے۔

رَاَیتُ رَبِّی بِصُوْرَتِ شَابٍ اَمْرَدٍ[7]

"میں نے اپنے رب کو ایسے نوجوان کی صورت میں دیکھا جس کی مسیں نہ بھیگی ہوں"

بعض تعبیر دہندہ فرماتے ہیں کہ ایسے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے آئینہ روح پر صفت ربوبیت کی تجلی فرمائی ہے۔ اسے طفل معانی کا نام بھی دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ جسم کی تربیت کرنے والا ہے۔ اور رب اور بندے کے درمیان وسیلہ ہے حضرت مولا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "اگر میرا مربی نہ ہوتا تو میں اپنے رب کو نہ پہچانتا"۔ اس مربی سے مراد باطن کا مربی ہے۔ اور باطنی مربی کی تربیت ظاہری مربی کی تلقین کے ذریعے ہوتی ہے۔ انبیاء اولیاء کے جسم بھی تربیت یافتہ ہوتے ہیں اور دل بھی جو لوگ ان کی تربیت کرتے ہیں انہیں ایک دوسری روح نصیب ہوتی ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ رب قدوس کا ارشاد ہے۔

یُلقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمرِہٖ علی مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ (غافر: 15)

"نازل فرماتا ہے وحی اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے"

مرشد کی تلاش اسی لیے ضروری ہے کہ اس کی تربیت میں رہ کر انسان ایسی روح حاصل کر لے جو دل کو زندہ کر دے اور مرید اپنے رب کی معرفت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس تاویل کی بناء پر خواب میں اللہ تعالیٰ کا ایک خوبصورت اخروؤ صورت میں دیدار جائز [۸] ہے۔ کیونکہ خواب میں نظر آنے والی صورت ایک مثالی صورت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دیکھنے والے کی استعداد اور مناسبت سے تخلیق فرمایا ہے۔ یہ صورت حقیقت ذاتیہ نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صورت سے پاک ہے یا وہ بذاتہ دنیا میں دکھائی دے گا جس طرح نبی کریم ﷺ کا دیدار ہے۔ اس قیاس کو بنیاد بنا کر یہ نظریہ رکھنا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھنے والے کی استعداد اور مناسبت کے مطابق مختلف صورتوں میں نظر آسکتا ہے۔ حقیقت محمدیہ کو بھی صرف وہی دیکھ سکتا ہے جو عمل، علم، حال اور بصیرت میں ظاہراً باطناً آپ کا وارث کامل ہو نہ کہ صرف حال میں۔ اس قیاس کی بناء پر ہر ایک صفت اسی طرح کی تجلی ڈالتی ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے لیے انگور کے درخت میں آگ کی صورت میں صفت خداوندی ظاہر ہوئی۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْآ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَاراً لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ...... (طٰہٰ:10)

"تو اپنے گھر والوں کو کہا تم (ذرا یہاں) ٹھہرو۔ میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں لے آؤں تمہارے لیے اس سے کوئی چنگاری......"

اسی طرح صفت کلام سے تجلی فرمائی۔ ارشاد فرمایا

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى (طٰہٰ :17)

"اور (ندا آئی) یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ؟"

یہ آگ دراصل نور تھا۔ لیکن اسے موسیٰ علیہ السلام کے گمان اور طلب کے مطابق آگ کہا گیا ہے۔ درخت کو انسان سے ذرا سی بھی نسبت نہیں۔ تو کیا عجب کہ صفات خداوندی میں سے کوئی صفت حقیقت انسانی میں متجلی ہو جبکہ انسان نے صفات حیوانیہ سے دل کو پاک کر کے صفات انسانیہ سے متصف کر لیا

ہو۔ جیسا کہ بعض اولیاء پر صفاتی تجلی کا ظہور ہوا مثلاً بایزید بسطامی نے فرمایا سُبْحانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِی[9]۔ جنید نے فرمایا: لَیسَ فی جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہ[10]۔ اور ایسی کئی دوسری مثالیں۔

اس مقام میں عجیب عجیب لطائف ہیں۔ جنہیں صوفیاء نے بیان کیا ہے۔ ان لطائف کی شرح بہت طویل ہے۔

پھر تربیت میں مناسبت ضروری ہے مبتدی کی پہلے پہل اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہوتی اسی لیے اس کے لیے ولی کی تربیت میں رہنا ضروری ہے کیونکہ مبتدی اور ولی کے درمیان ایک مناسبت ہوتی ہے کیونکہ دونوں بشر ہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ جب بقید حیات ظاہری تھے تو کسی غیر کی تربیت کی ضرورت نہیں تھی مگر جب عالم آخرت کی طرف منتقل ہوگئے تو یہ صفت تعلق منقطع ہوگئی اور آپ تجرد محض کے مقام پر پہنچ گئے۔ اسی طرح جب اولیاء دار آخرت کو رحلت فرماجائیں تو ان کی رہنمائی کسی کو مقصود تک نہیں پہنچا سکتی۔ اگر تو عقل مند ہے تو اسے سمجھنے کی کوشش کر۔ اور اگر اہل فہم سے نہیں تو پھر ایسی نورانی ریاضت کے ذریعے تربیت حاصل کر جو نفسانیت اور ظلمانیت پر غالب آجائے کیونکہ فراست نورانیت سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ ظلمانیت سے اور اس لیے کہ نور صرف اس جگہ سے آتا ہے جو قریب ہو اور روشن بھی ہو۔ پس مبتدی کی (صاحب مزار ولی) کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے۔

ایک ولی جب تک اس دنیا میں ہے مبتدی کو اس سے ایک گونہ مناسبت ہے کیونکہ اس کی دو جہتیں ہیں ''تعلقیہ جسمانیہ'' اور ''تجردیہ روحانیہ'' کیونکہ وہ وراثت کاملہ رکھتا ہے۔ پس اس روحانیت کی وجہ سے ولی کو نبی کریم ﷺ کی مدد مسلسل پہنچتی رہتی ہے اور وہ اس سے دوسرے لوگوں کو روشناس کراتا رہتا ہے۔ اسے سمجھیئے اس سے آگے عمیق راز ہے جسے صرف اھل معرفت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ رب قدوس کا ارشاد ہے۔

وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ (المنافقون: 8)

"حالانکہ (ساری) عزت تو صرف اللہ کے لیے اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے"

باطن میں تربیت ارواح (کی صورت یہ ہے کہ) روح جسمانی سب سے پہلے جسم میں تربیت پاتی ہے۔ پھر روح روانی قلب میں تربیت حاصل کرتی ہے۔ اس کے بعد روح سلطانی جان میں تربیت پاتی ہے۔ پھر روح قدسی ہے جو سر میں تربیت حاصل کرتی ہے۔ یہ سر اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان واسطہ ہے۔ یہی حق اور مخلوق کے درمیان ترجمان ہے کیونکہ یہ اللہ کی محرم اور اس سے خاص تعلق رکھتی ہے۔

رہا خواب جو کہ اخلاق ذمیمہ سے تعلق رکھتا ہے یہ صفت لمارہ کی مثالی صورت ہو یا لوامہ کی یا مطمہ کی تو یہ درندوں کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ مثلاً چیتا، شیر، ریچھ، بھیڑیا کتا اور خنزیر۔ یا یہ مثالی صورت دوسرے جانوروں کی صورت میں نظر آئے گی مثلاً لومڑی، تیندوا، بلی، سانپ، بچھو، بھڑ وغیرہ۔ یہ چیزیں خواب میں نظر آئیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ صفت ذمیمہ کی مثالی صورت ہے اس سے احتراز ضروری ہے۔ لازم ہے کہ انسان روح کی راہ سے اسے ہٹائے۔

چیتا خود پسندی اور اللہ تعالیٰ پر تکبر کرنے کی صفت کی مثالی صورت ہو گا۔ شیر تکبر اور مخلوق خدا سے اپنے آپ کو بڑا سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ریچھ کا تعلق صفت غضب اور ماتحتوں پر غلبہ جیسے اخلاق ذمیمہ سے ہے۔ بھیڑیا اکل حرام، حب دنیا اور اس کے لیے قہر و غضب کو ظاہر کرتا ہے۔

خنزیر :۔ کینہ، حسد اور شہوانی خواہشات کی مثالی صورت ہو گی۔

خرگوش :۔ خیانت، دنیاوی مکر و فریب کا پتہ دیتا ہے۔ لومڑی بھی کبھی انہیں صفات کو ظاہر کرتی ہے لیکن خرگوش زیادہ غفلت کی علامت ہے۔

تیندوا :۔ جاہلی عزت اور حب ریاست کی مثالی صورت ہوتا ہے۔

بلی :۔ بخل اور نفاق کو ظاہر کرتی ہے۔

سانپ :۔ گالی، غیبت اور کذب جیسی صفات ایذاء کی علامت ہے۔ ان

دونوں میں کبھی حقیقی معنی بھی ہوتے ہیں جنہیں صرف اہل بصیرت سمجھ سکتے ہیں۔

بچھو :۔ عیب جوئی، غیبت اور چغلی کی علامت ہے۔

بھڑ :۔ چھپ کر مخلوق کو اپنی زبان سے تکلیف دینے کو ظاہر کرتی ہے۔

سانپ کبھی عداوت ظاہری کو ظاہر کرتا ہے۔ جب سالک خواب میں دیکھے کہ وہ موذی چیز سے لڑ رہا ہے لیکن دیکھ لینے کے باوجود غلبہ نہیں پارہا تو اسے عبادت اور ذکر میں مزید کوشش کرنی چاہیے۔ تاکہ وہ اس پر غالب آجائے اور اسے قتل کر دے۔ یا پھر اسے بشری صورت میں تبدیل کر دے۔ اگر سالک یہ دیکھے کہ وہ کسی موذی چیز پر غالب آگیا ہے یا اسے قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام گناہوں کو معاف فرمادیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ تائبین کے حق میں ارشاد فرماتا ہے۔

كَفَّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّئَاتِهِمۡ وَاَصۡلَحَ بَالَهُمۡ (محمد :2)

"اللہ تعالیٰ نے دور کر دیں ان سے ان کی برائیاں اور سنوار دیا ان کے حالات کو"

اور اگر سالک یہ دیکھے کہ موذی چیز انسانی شکل میں تبدیل ہو گئی ہے تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ توابین کے بارے فرماتا ہے۔

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّأٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ (الفرقان :70)

"مگر وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے تو یہ وہ لوگ ہیں بدل دے گا اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے"

پس اس مرتبہ تو وہ ان برائیوں سے چھٹکارا پا گیا مگر اس کے بعد ان سے غافل نہ رہے کیونکہ جب نفس نافرمانی اور نسیان جیسی خباثتوں سے تقویت حاصل کرلے گا تو وہ نفس مطمئنہ پر غلبہ پالے گا اور اس کے قابو میں نہیں رہے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انسان جب تک دنیا میں ہے ایک ایک لمحہ

مناہی سے اجتناب کرے
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نفس امارہ کفر کی صورت میں نظر آجاتا ہے۔ نفس لوامہ یہودی کی صورت مثالی میں اور نفس ملهمہ نصرانی کی صورت مثالی میں۔اسی طرح کبھی یہ بدعتی کی صورت میں نظر آتا ہے۔

حواشی

۱۔ یہ بخاری کی روایت کردہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے (صحیح بخاری۔ کتاب التعبیر باب المبشرات نمبر 6589) حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے۔ تتمہ حدیث یہ ہے "صحابہ کرام علیہم الرضوان نے پوچھا۔ مبشرات کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سچے خواب" دیکھیے جامع الاصول۔ ابن اثیر ج526/2

۲۔ (مؤطا امام مالک۔ کتاب الرؤیا۔ باب ماجاء فی الرؤیا۔958/2 عروہ بن زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے لھم البشری فی الحیاۃ الدنیا کے بارے روایت ہے کہ اس سے مراد سچے خواب ہیں جو ایک مسلمان دیکھتا ہے یا اسے دکھائے جاتے ہیں۔ جامع الاصول۔ ابن اثیر 526/2

۳۔ صحیح مسلم کتاب الرؤیا نمبر 2263 ابن مسہر سے روایت ہے۔ دوسری حدیث نمبر 2265 حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے سچا خواب نبوت کے ستر جزوں میں سے ایک جز ہے۔ امام نووی (شرح صحیح مسلم ج21/15) فرماتے ہیں کہ بقول خطابی یہ حدیث خواب کے معاملے اور اس کی منزلت کی تحقیق کے بارے تاکید ہے۔ سچا خواب انبیاء کے لیے نبوت کا جز تو ہو سکتا ہے غیر کے لیے نہیں انبیاء علیہم السلام کو جس طرح بیداری میں وحی ہوتی خواب میں بھی وحی کی جاتی تھی۔ بعض علماء کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سچا خواب نبوت کی موافقت میں آتا ہے کیونکہ نبوت کا یہ بقیہ جز ہے۔ واللہ اعلم۔

۴۔ امام بخاری اپنی صحیح میں کتاب التعبیر، باب، من رای النبی ﷺ فی المنام میں حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا: "جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ ضرور مجھے بیداری میں دیکھے گا۔ شیطان میری صورت میں ظاہر نہیں ہو سکتا" دیکھے جامع الاصول از ابن

اثیر ج 528/2 امام نووی شرح صحیح مسلم ج 15 26 میں فرماتے ہیں کہ اس بارے کئی اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضور علیہ السلام کے ہم عصر لوگ ہیں۔ مقصد یہ ہوگا کہ جس نے خواب میں میری زیارت کی اور ابھی تک اس نے ہجرت نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ اسے ہجرت کی توفیق بخشے گا اور وہ بیداری میں آکر میری زیارت کا شرف حاصل کرے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جو شخص زیارت رسول سے خواب میں مشرف ہوگا بیداری میں آخرت کے دن اس خوب کی تصدیق سامنے آجائے گی کیونکہ آخرت میں تو آپ کی ساری امت آپ کا دیدار کرے گی اگرچہ اس دنیا میں محروم ہی رہے ہوں گے تیسرا قول یہ ہے کہ آخرت میں اسے خاص دیدار نصیب ہوگا۔ اسے حضور علیہ السلام کا قرب نصیب ہوگا اور آپ علیہ السلام ایسے شخص کی شفاعت فرمائیں گے۔ اسی طرح کے کئی دوسرے اقوال بھی ہیں۔ واللہ اعلم

۵۔ یہ حدیث ہمیں نہیں ملی

۶۔ الجامع الصحیح للترمذی کتاب صفۃ الجنۃ۔ باب ماجاء فی صفۃ شباب اھل الجنۃ نمبر حدیث 2535 جامع الاصول از ابن اثیر۔ ج 528/10

۷۔ اس کی تخریج پہلی ہو چکی ہے۔

۸۔ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ (الرسالہ ص 307) فرماتے ہیں ابی یزید سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے خواب میں اپنے رب کا دیدار کیا۔ میں نے عرض کیا: مولا! تجھ تک پہنچنے کا راستہ کونسا ہے؟ فرمایا: اپنے نفس کو چھوڑ دے اور میری طرف چل دے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت احمد بن خضرویہ نے خواب میں رب قدوس کا دیدار کیا۔ رب قدوس نے فرمایا: اے احمد مجھ سے سوائے بایزید کے سبھی کچھ نہ کچھ مانگتے ہیں۔ وہ صرف میرا طالب ہے۔ یحیٰ بن سعید القطان کا ارشاد ہے میں نے خواب میں اپنے رب کا دیدار کیا اور پوچھا: میرے رب! میں نے کتنی بار التجا کی مگر قبول نہیں ہوئی فرمایا: یحیٰ میں تیری آواز سننا چاہتا ہوں۔

۹۔۱۰۔ ابن تیمیہ (مجموع الفتاویٰ ج 337/10) لکھتے ہیں " وجہ یہ ہے کہ ایسا شخص پوری کائنات کو وہی سمجھ بیٹھتا ہے جو جلوہ اس کے دل میں ہے اسی لیے وہ ایسی باتیں کہہ جاتا ہے۔ کیونکہ جب تجلی حق پڑتی ہے تو وہ اپنی گفتگو سننے سے قاصر ہوتا ہے۔ ... ایسی حالت فناء میں کبھی تو وہ کہتا ہے انا الحق۔ کبھی کہتا ہے سبحانی اور کبھی کہتا ہے ما فی الجبۃ الا اللہ۔

جب وہ اپنے شہود سے فنا ہو جاتا ہے اور اپنے موجود کی وجہ سے خود اپنے وجود سے غافل ٹھہرتا ہے۔ اس کے دل میں مذکور و معروف ہوتا ہے اور اپنے ذکر اور عرفان کی اسے قطعاً خبر نہیں رہتی۔ جیسا کہ ایک واقع بیان کیا جاتا ہے کسی عاشق کا محبوب دریا میں غوطہ زن ہوا تو اس نے بھی چھلانگ لگا دی۔ محبوب نے پوچھا تو میرے پیچھے پانی میں کیوں کود پڑا تو وہ کہنے لگا میں تیری وجہ سے اپنے آپ سے غیب ہو چکا ہوں۔ میں نے گمان کیا کہ شاید تیرا وجود میرا وجود ہے۔ ڈاکٹر عبد الکریم یافی ان اقوال کے بارے کہتے ہیں کہ یہ اقوال بعض صوفیاء کی طرف منسوب ہیں اگر یہ نسبت صحیح ہے تو بھی یہ شطحیات کی قبیل سے ہیں امام غزالی الاحیاء میں شطحیات صوفیہ کے بارے لکھتے ہیں ایسے اقوال حالت سکر میں صادر ہوتے ہیں نہ کہ حالت صحو میں۔ بہر حال تاویلات کا میدان بہت وسیع ہے اس مقام کا بیان جس پر صوفی کی نظر ہوتی ہے وہ حالت صحو میں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں کتاب الرقاق باب التواضع حدیث نمبر 6137 میں حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ ایک حدیث لکھتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد (حدیث قدسی) ہے جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میری طرف سے اس کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ فرضوں سے بڑھ کر کسی چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ ایک بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ میرا محبوب بن جاتا ہے۔ اور جب میرا محبوب بنتا ہے تو میں اس کی قوت سماع بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو دیتا ہوں۔ پناہ طلب کرے تو ضرور پناہ میں لے لیتا ہوں۔ مجھے کسی چیز کے کرنے سے تردد نہیں ہوتا جتنا مؤمن کے نفس سے تردد ہوتا ہے۔ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی اس ناپسندیدگی کو ناپسند کرتا ہوں" اس حدیث سے ہم پر ولی اللہ کا مقام واضح ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کی مشیت میں تجلی کرتی ہے اور بندے کے عمل اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے صادر ہوتے ہیں جب ہم ہر قسم کی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مظہر مانتے ہیں تو پھر انسان کو کیوں نہ مانیں جب کہ وہ خلیفۃ اللہ ہے۔ اس کا ہر قدم مشیت خداوندی سے اٹھتا ہے۔ وہ تقویٰ فناء اور عبادت و ریاضت میں ایک بلند درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ پس جب صوفی الٰہی روشنی اپنے پاکیزہ نفس میں پاتا

ہے تو وہ جھوم اٹھتا ہے اور سر دھنے لگتا ہے۔ اللہ کے ساتھ اس کی محبت، وار فتگی اور ناز اس کے بلند مقام کا پتہ دیتی ہے۔

قلمی ولو حی فی الوجود یمده
قلم الاله ولوحه المحفوظ
ویدی علی الله فی ملکوته
ماشئت اجری والرسوم حظوظ

میرے وجود کی لوح و قلم کو اللہ تعالیٰ کا قلم اور لوح محفوظ چلا رہا ہے۔
میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کی پوری بادشاہی پر ہے۔ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔
اس اعتبار سے انسان کائنات میں تبدیلی کا آلہ ہوں۔ وہ محو و اثبات کی لوح ہے۔ اس کا ہر عمل جسے وہ ادا کرتا ہے مشکور ہو یا محمود اللہ کی طرف لوٹتا ہے۔ شکر ہو یا حمد، تسبیح ہو یا تنزیہ تمام امور کی غایت حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ غزالی علیہ الرحمۃ مشکات الانوار ص 40 پر لکھتے ہیں سکر میں عشاق کی زبان سے صادر ہونے والے کلام کو چھپایا جاتا ہے بیان نہیں کیا جاتا۔ جب یہ لوگ حالت سکر سے حالت صحو میں آتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ یہ اتحاد حقیقی نہیں بلکہ یہ حالت اتحاد کے مشابہ تھی۔ جیسا کسی عاشق نے کہا ہے۔

انامن اھوی ومن اھوی انا
نحن روحان حللنا بدنا

میں اپنا محبوب ہوں اور میرا محبوب میں ہے ہم دو روح یک قالب ہیں۔
اس مختصر سی شرح کو ہم ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں کہ ایسے الفاظ کا اعادہ صحیح نہیں۔ یہ الفاظ اور عبادات عظمت انسانی کا پتہ دینے میں کارآمد ہیں۔ وہ انسان جو خالق عزوجل کی عظمت سے عظمت حاصل کرتا ہے۔

تیئیسویں فصل

اھل تصوف

اھل تصوف کے بارہ فرقے ہیں۔ ان میں سے صرف ایک فرقہ اہل السنت والجماعت سے تعلق رکھتاہے۔ صرف اسی گروہ کے افعال اور اقوال شریعت اور طریقت کے موافق ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ بلا حساب وکتاب جنت میں جائیں گے اور کچھ ایسے ہیں کہ جنہیں عذاب کے بعد جنت میں جانے کی اجازت ہو گی۔ اس گروہ کے علاوہ باقی گیارہ فرقے اہل بدعت کے ہیں۔ ان فرقوں کے نام یہ ہیں۔

حَلویہ :۔

ان کا نظریہ ہے کہ خوبصورت عورت یا بے ریش بچے کو دیکھنا حلال ہے۔ ایسے خوبصورت چہرے میں حق کی صفت پائی جاتی ہے۔ یہ لوگ رقص و سرود کی محفلیں منعقد کرتے ہیں، تقبیل ومعانقہ کی تمنار کھتے ہیں۔ اور یہ سب چیزیں کفر ہیں۔

حالیہ :۔

ان کے عقیدے میں رقص و سرود جائز ہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ پر ایک ایسی حالت بھی طاری ہوتی ہے جس کی تعبیر شریعت نہیں دے سکتی۔ یہ نظریہ بدعت ہے اس میں حضور ﷺ کی سنت کی موافقت نہیں ہے۔

اولیاءیہ :۔

یہ گروہ اس نظریے کا قائل ہے کہ اولیاء اللہ کیلئے شریعت کی پابندی ضروری نہیں کیونکہ وہ جب ولایت کے مرتبے کو پہنچ گئے تو شریعت کے مکلّف نہیں رہے۔ ان کے نزدیک ولی، نبی سے افضل ہے کیونکہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو جبریل امین کی وساطت سے علم ملا لیکن ولی کا علم جبریل کے واسطے سے نہیں۔ یہ تاویل محض غلطی ہے۔ یہ گروہ اسی نظریے کی وجہ سے ھلاک ہوا ایسا عقیدہ کفر ہے۔

شمراخیہ :۔

یہ گروہ کہتا ہے کہ صحبت قدیم ہے اسی لیے امر و نہی کی پابندی ضروری نہیں ہے شمراخیہ گانے بجانے اور دوسری مناہی کو شرعاً حلال گردانتے ہیں۔ پہلے گھر سے عورت کی بچی خاوند کے لیے حلال بتاتے ہیں۔ یہ لوگ کافر ہیں اور ان کا قتل مباح ہے۔

حلبیہ :۔

ان کے نظریے کے مطابق جب انسان اللہ کے ہاں درجہ محبت تک پہنچ جاتا ہے تو اس سے شریعت کی ساری پابندیاں اٹھ جاتی ہیں۔ یہ لوگ ایک دوسرے سے جسم کے مخصوص حصے (شرمگاہ) نہیں چھپاتے۔

حوریہ :۔

ان کے نظریات فرقہ حالیہ سے ملتے جلتے ہیں۔ جب یہ لوگ وجد و حال سے افاقہ حاصل کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے حور سے مباشرت کی ہے۔ افاقہ کے بعد غسل کرتے ہیں۔ یہ گروہ پرلے درجے کا جھوٹا ہے اور اسی جھوٹ کی وجہ سے ذلیل و خوار ہیں۔

اباحیہ :۔

یہ امر بالمعروف کے قائل نہیں۔ حرام کو حلال سمجھتے ہیں اور عورتوں

سے (بلا قید) اکٹھے ہونا حلال بتاتے ہیں۔

متکاسلہ :۔

یہ لوگ کسب کے قائل نہیں۔ گھر گھر جا کر مانگتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ہم نے دنیا ترک کر دی ہے۔ اسی نظریے کی وجہ سے ذلیل و خوار ہیں۔

متجاھلہ :۔

یہ لوگ فاسقوں جیسا لباس پہنتے ہیں۔ اور دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ بباطن اللہ والے ہیں۔ یہ بھی اسی عقیدہ کی وجہ سے ھلاک ہو گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ......

(ھود :113)

''اور مت جھکو ان کی طرف جنھوں نے ظلم کیا ورنہ چھوئے گی تمہیں بھی آگ''

وقفیہ :۔

ان کے خیالات میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔ ان لوگوں نے طلب معرفت کی راہ کو ترک کر دیا ہے اور یہ ان کے ھلاک ہونے کی وجہ ہے۔

ھامیہ :۔

یہ علم کے قائل نہیں۔ تدریس سے روکتے ہیں اور حکماء کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن حجاب ہے۔ اشعار طریقت کا قرآن ہیں۔ اسی لیے وہ قرآن کو ہاتھ تک نہیں لگاتے۔ اپنے بچوں کو بھی اشعار کی تعلیم دیتے ہیں۔ ان کے عقیدے میں کوئی ورد و ظیفہ جائز نہیں۔ اسی اعتقاد نے انہیں ھلاکت میں

ڈال دیا ہے۔ ان باطل نظریات کے باوجود اپنے آپ کو اھل السنّت بتاتے ہیں۔

یہ تمام فرقے اہل سنت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ کیونکہ اھل السنّت والجماعۃ کا تو یہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کی صحبت سے عشق کا جذبہ حاصل کیا۔ پھر یہ جذبہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بعد مختلف مشائخ تک پہنچا۔ ان سے کئی سلسلے روپزیر ہوئے حتی کہ وہ جذبہ ماند پڑ گیا کئی اصل راہ سے ہٹ گئے اور صرف رسوم بلا معنی کی تقلید کرنے لگے پھر انہیں ظاہری رسوم کے حامل مشائخ کئی فرقوں میں بٹ گئے۔ سنت کو چھوڑ کر بدعت کی راہ اپنالی۔ کوئی قلندری بنے تو کوئی حیدری۔ کوئی ادھمی کہلائے تو کوئی کسی اور نام سے منسوب ہوئے۔ ان کے بارے تفصیلی گفتگو بہت طوالت کا باعث ہو گی۔

موجودہ دور میں اہل فقر وارشاد بہت ہی قلیل ہیں۔ اہل حق کی دو نشانیاں ہیں۔ ایک نشانی ظاہری ہے اور دوسری باطنی۔

ظاہری نشانی :۔

ظاہری علامت تو یہ ہے کہ وہ شریعت کے اوامر ونواہی کی پابندی کرتے ہیں۔

باطنی علامت :۔

جبکہ باطنی علامت یہ ہے کہ ان کا سلوک مشاہدۂ بصیرت پر ہے اور ان کو دیکھ کر اسوۂ حسنہ کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کی روحانیت کے درمیان واسطہ ہیں۔ اور اپنی جگہ جسمانیت کے لیے بھی واسطہ ہیں۔ شیطان ان لوگوں کی مثالی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ دکھانے والے ہوتے ہیں اور اپنے مریدوں کے لیے راہ حقیقت کا نشان منزلت ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اندھی تقلید کے قائل نہیں ہوتے۔ ان کی اور بھی بہت سی علامات ہیں جنہیں صرف چند لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

چوبیسویں فصل

حالت نزع

سالک کو فطانت اور بصیرت سے کام لینا چاہیے۔ وہ دیکھے کہ اس کے اعمال کا انجام کیا ہو گا۔ اور اس کے بدلے اس کے ہاتھ کیا آئے گا۔ اپنے احوال کے ظاہر پر نہ اترائے۔ اھل تصوف کا اتفاق ہے کہ سالک احوال کی تدبیر سے غافل ہوتا ہے جیسا کہ رب قدوس کا ارشاد ہے۔

فلا يأمن مكر الله الا القوم الخاسرون

(الاعراف :99)

"پس نہیں بے خوف ہوتے اللہ کی خفیہ تدبیر سے۔ سوائے اس قوم کے جو نقصان اٹھانے والی ہوتی ہے"

اسی طرح حدیث قدسی میں ارشاد خداوندی ہے۔

يَامُحَمَّدُ بَشِّرِ الْمُذْنِبِيْنَ بَاَنِّیْ غَفُوْرٌ وَاَنْذِرِ الصَّادِقِيْنَ بَاَنِّیْ غَيُّوْرٌ[۱]

"اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم گناہ گاروں کو یہ مژدہ سنادو کہ میں بہت بخشنے والا ہو اور سچوں کو خبردار کیجئے کہ میں بہت غیرتمند ہوں۔

اولیاء کی کرامات اور احوال مکر اور استدراج سے غیر محفوظ نہیں ہیں۔ ہاں انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات میں یہ اندیشہ نہیں۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے استدراج سے محفوظ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سوء خاتمہ کا خوف سوء خاتمہ سے

نجات کا سبب ہے کیونکہ اس طرح انسان بشریت کے دھوکے سے بچ جاتا ہے۔ بشریت انسان کا راستہ کاٹتی ہے اور انسان کو شعور تک بھی نہیں ہوتا۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ صحت میں خوف کی کیفیت غالب ہو اور مرض میں رجاء کی کیفیت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

لَوْوُزِنَ خَوْفُ الْمُؤْمِنِ وَرجَاءُ هٗ لَاِسْتَوَيَا[2]۔

"مؤمن کے خوف اور امید کا اگر موازنہ کیا جائے تو دونوں برابر ہوں گے"

"ہاں حالت نزع میں مؤمن کو چاہیے کہ اللہ کے فضل و کرم پر زیادہ امید رکھے" کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

لَایَمُوْتَنَّ اَحَدُکُمْ اِلَّا وَھُوَ یُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰہِ[3]۔

"تم میں سے جب کسی کو موت آئے تو ضروری ہے کہ اللہ کے متعلق حسن ظن رکھتا ہو"

یعنی وہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب سے پہل کرنے والی ہے اور اس کی رحمت اور استعانت کی وسعت کی کوئی حد نہیں ہے۔ وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اس کے قہر سے اس کے لطف کی طرف بھاگے۔ اس سے اسی کی طرف دوڑے۔ عاجزی وانکساری کا اظہار کرے۔ گناہوں پر شرمندہ ہو سراپا بندگی کا اظہار کر رہا ہو اس کے دروازے پر اپنے گناہوں کا اعتراف کرے۔ اور یقین رکھے کہ اس کی الطاف بے پایاں اور رحمت تمام اس کے گناہوں کو ڈھانپ لے گی۔ وہ بہت کرم فرمانے والا رحم کرنے والا ہے۔ اس کے دروازے سے کوئی خالی ہاتھ واپس نہیں آتا۔ وہ داتا ہے۔ سب پر کرم کرنے والا ہے۔

اے اللہ۔ اے گم کردہ راہوں کا ہادی۔ اے گناہ گاروں پر رحم فرمانے والا۔ تیرے علم کی کوئی انتہاء نہیں۔ زبان اسے بیان کرنے سے عاجز ہے۔ تیرا کرم سوال کا محتاج نہیں۔ اے میرے اللہ سید الرسل پر رحمتیں نازل فرما۔ ان کی آل پر اور ان کے تمام صحابہ کرام پر نظر کرم فرما۔ اے رب العالمین!

حواشی

۱۔ یہ حدیث ہمیں نہیں ملی

۲۔ اسے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "الدرر" ص349 پر حضرت عبداللہ بن عمر سے۔ حضرت احمد بن حنبل نے "زوائد الزھد" میں حضرت ثابت البنانی سے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ حدیث کے صورت مرفوع نہیں ہے۔ حضرت امام احمد نے "الزھد" ص293 پر بھی اسے مطرف سے نقل کیا ہے۔ اور اس کے معنی کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام قشیری رسالہ میں ص106 پر نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو علی الدوذباری کا ارشاد ہے خوف اور رجاء پرندے کے دو پروں کی مانند ہیں۔ جب دونوں برابر ہوں تو پرندا سیدھا اڑے گا اور اس کی اڑان مکمل ہو گی۔ ایک بھی ٹوٹ گیا تو نقص واقع ہوا۔ دنوں ٹوٹ جائیں تو پرندہ قریب المرگ ہو جاتا ہے۔ بیہقی کی مطرف سے روایت کردہ حدیث اس کی شاھد ہے۔ فرماتے ہیں "اگر مؤمن کے خوف ورجاء کا موازنہ کیا جائے تو ایک بال برابر بھی فرق ظاہر نہ ہو" دیکھیے شرح عین العلم وزین الحلم ج2/247-273

۳۔ صحیح مسلم کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا۔ باب الامر بحسن الظن باللہ تعالیٰ عند الموت نمبر حدیث 2877 سنن ابو داؤد۔ کتاب الجنائز۔ باب مایستحب من حسن الظن باللہ عند الموت حدیث نمبر 3113۔ مسند امام احمد ج 293/3 عن جابر بن عبداللہ۔ جامع الاصول از ابن اثیر ج 693/11۔ امام نووی شرح صحیح مسلم ج 209/17 پر لکھتے ہیں کہ علماء اس حدیث کا معنی بیان کرتے ہیں کہ یہ ناامیدی سے ڈرانا ہے۔ اور خاتمہ کے وقت رجاء کی ترغیب دینا ہے۔





www.maktabah.org


www.maktabah.org





www.maktabah.org

Maktabah.org

This book has been digitized by www.maktabah.org.

Maktabah.org does not hold the copyrights of this book. All the copyrights are held by the copyright holders, as mentioned in the book.

Digitized by Maktabah.org, 2011

Files hosted at Internet Archive [www.archive.org]

We accept donations solely for the purpose of digitizing valuable and rare Islamic books and making them easily accessible through the Internet. If you like this cause and can afford to donate a little money, you can do so through Paypal. Send the money to ghaffari@maktabah.org, or go to the website and click the Donate link at the top.

www.maktabah.org